بپاسِ خاطر

برادر عزیز میاں محمد بشیر احمد سب انسپکٹر ضلع ہمیر پور

میں اپنی اُس دلی محبت کے جو مجھے تمہارے ساتھ ہے اس ناچیز کتاب کو جو تمہاری فرمایش پر تالیف کی گئی ہے تمہارے نام پر نامزد کر کے امید کرتا ہوں کہ اپنے بھائی کے اس حقیر ہدیہ کو قبول کرو گے۔

محمد سعید احمد



الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

دنیا کی باتوں میں ہمیشہ انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ جو بات ایک زمانہ میں سرمایۂ فخر و ناز سمجھی جاتی ہے۔ وہی دوسرے زمانہ میں سب سے زیادہ بری خیال کی جاتی ہے جب کسی قوم کا اقبال یاور ہوتا ہے۔ اوس کی بری باتیں بھلی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور ادبار کے زمانہ میں اُس کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ میں بھی ذم کے پہلو نکل آتے ہیں۔ غرضکہ زمانہ کو ایک پہلو پر قرار نہیں ہے ع ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے ٭ یہ ہی دنیا کا کارخانہ ہے
قدیم زمانہ میں دولت و عظمت حاصل کرنے کا ذریعہ تلوار سمجھی جاتی تھی۔ اور ہر سلطنت کی قوت و شوکت۔ اقبال و ادبار کا اندازہ ہمیشہ فتوحات ملکی اور فوجی طاقت سے کیا جاتا تھا اسی وجہ سے اوس زمانہ کے مورخوں کی توجہ زیادہ تر فتوحات ملکی اور خانہ جنگیوں اور لڑائی بھڑائی کے واقعات کی جانب رہتی تھی۔ اور اونھوں نے اُس زمانہ کے مذاق اور قبول عام کی بنا پر اپنی تاریخوں کے ہزاروں صفحے ان واقعات سے بھر دیے ہیں۔ اس زمانہ میں چونکہ تاریخی

مذاق بالکل بدل گیا ہے لہذا ان مورخوں کی تاریخوں پر سخت نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ اور اون کی کوشش اور سعی اور عرق ریزی سے چشم پوشی کرکے اون کی تحریروں کی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کے تاریخی مذاق کے مطابق قدیم مورخوں نے تہذیب و تمدن کے بیان میں اس قدر کوتاہی کی ہے کہ اسلامی حکومتوں کے سیکڑوں ہزاروں عجیب وغریب کارنامے آج گوشہ گمنامی میں ہیں۔ اور تفصیلی طور سے کسی بات کا پتہ نہیں چلتا۔ اور اگر ورق گردانی سے کچھ تھوڑا بہت پتہ چلتا بھی ہے۔ تو اوس سے عام لوگ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے اکثر کارناموں سے صاف انکار کیا جاتا ہے چنانچہ ایک دن جلسہ احباب میں ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے طرز حکومت اور انتظامات ملکی کے بیان میں محکمہ پبلک ورک یعنی منافع عامہ کا ذکر آگیا۔ اس پر ایک دوست نے جو انگریزی میں فضیلت کی ڈگری (ایم۔اے) حاصل کرچکے ہیں اپنے نزدیک نہایت وثوق کے ساتھ بیان کیا کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں اس محکمہ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کو رفاہ عام کے کاموں کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوئی۔ نہ کسی نے رعایا کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا۔ نہ ملک میں کوئی مدرسہ۔ شفاخانہ۔ محتاج خانہ وغیرہ کسی نے قایم کیا۔ میں نے جواب دیا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کے رفاہ عام کے کاموں سے انکار کرنا چاند پر خاک ڈالنا ہے۔ اونھوں نے بہت سے رفاہ عام کے کام انجام دئے۔ جن کی اکثر زندہ مثالیں ہندوستان میں اس وقت تک موجود ہیں۔ اگر کوئی امیر کبیر اس کی تحقیقات کرنا چاہے تو مختلف تاریخوں بے شمار چھوٹے چھوٹے نوشتوں۔ اور کتبوں اور دیگر آثار سے ایسے حالات بہم پہنچ سکتے ہیں کہ جس سے اوس عہد کے محکمہ پبلک ورک کی نہایت مفصل تاریخ

تیار ہوسکتی ہے۔ البتہ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ کل اسلامی عہد میں اس زمانہ کا سا باقاعدہ اور مسلسل انتظام نہ تھا۔ لیکن یہ شخص حکومت کی خرابی کا نتیجہ تھا کیونکہ شخصی حکومت میں لایق اور بادشاہوں کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بعد لایق اور نیک قایم مقام مقرر کریں۔ پس اکثر ان کے مرنے کے ساتھ ہی اُن کے تمام انتظامات کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے۔

اس تقریر کے بعد میرے برادر عزیز میاں بشیر احمد سلمہ نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں اس بیان میں ایک رسالہ قلمبند کروں۔ لیکن چونکہ یہ کام نہایت دقت طلب اور میرے امکان سے باہر تھا لہذا میں نے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ اس مضمون کو نہایت مفصل اور وسیع ہونا چاہیئے اور کافی تاریخی ذخیرے کے علاوہ تمام ہندوستان میں مقامی تحقیقات کی ضرورت ہے۔ اس پر برادر عزیز نے عربی کے مشہور مقولہ۔ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ کی بنا پر اصرار کیا کہ جب اس بیان مین کوئی رسالہ اس وقت تک موجود نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ برا بھلا جیسا ممکن ہو لکھکر آیندہ کیواسطے نظیر نہ قایم کی جاوے۔ کیا عجب ہی کہ اس کو دیکھکر کسی صاحب مقدور کو شوق پیدا ہوا اور وہ تمام ہندوستان میں تحقیقات کراکر اس مضمون پر ایک مکمل تاریخ تیار کراوے۔ چونکہ یہ بات لگتی ہوئی تھی۔ اور برادر عزیز کی خاطر بھی منظور تھی لہذا کتاب اُمراے ہنود کے ختم کرنے کے بعد خدا پر بھروسہ کرکے اس کام کو شروع کردیا۔ اور آج اوسی کے فضل وکرم سے یہ کام اختتام کو پہنچا ؎

شکر خدا کہ ہرچہ طلب کردم از خدا
بر منتہاے ہمت خود کامراں شدم

اب مجھے سواے اس کے کچھ کہنا نہیں کہ یہ کام میری استعداد علمی اور تاریخی واقفیت سے بہت زیادہ تھا۔ میں نے بہت کوشش سے مختلف تاریخوں کی ورق گردانی کی۔

مقامی حالات دریافت کرنے کے واسطے بہت سے خطوط لکھے اکثر سفر کئے مگر اس پر بھی خواہش اور طبیعت کے موافق ذخیرہ مہیا نہ ہو سکا پس ناظرین سے بصد عجز التماس ہے کہ جو کچھ فروگذاشت ہو اس کو دامن عفو میں چھپا کر از راہ ہمدردی مطلع فرما دیں تا کہ طبع ثانی میں اس کی اصلاح کر دیجاوے۔

۱۳ - محرم ۱۳۲۳ سنہ ہجری نبوی مطابق ۲۰ - مارچ ۱۹۰۵ سنہ ع یوم دوشنبہ	**خاکسار** محمد سعید احمد مؤلف حیات صالح و حیات خسرو - و امرائے ہنود ساکن قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ - ممالک متحدہ آگرہ و اودھ



خاص خاص کتابوں کی فہرست جنسے یہ کتاب ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مؤلف	زبان
۱	اکبر نامہ	علامی ابوالفضل	فارسی
۲	آئین اکبری	ایضاً	"
۳	منتخب اللباب	محمد ہاشم خاں (خافی خاں)	"
۴	منتخب التواریخ	ملا عبدالقادر بدایونی	"
۵	بادشاہ نامہ	ملا عبدالحمید لاہوری	"
۶	توزک جہانگیری	جہانگیر	"
۷	عالمگیر نامہ	محمد کاظم و محمد ساقی	"
۸	سیر المتاخرین	میر غلام حسین	"
۹	تاریخ فرشتہ	ملا محمد قاسم فرشتہ	"
۱۰	تاریخ آگرہ (قلمی)	منشی سیل چند	"
۱۱	گل رحمت (قلمی)	محمد سعادت یار خاں	"
۱۲	خزانۂ عامرہ	میر غلام علی آزاد بلگرامی	"
۱۳	رقعات عالمگیری	عالمگیر	"
۱۴	مفتاح التواریخ	ٹامس ولیم بیل صاحب	"
۱۵	تاریخ دکن جلد دوم	مولوی عبدالغفور رام پوری	اُردو
۱۶	ایضاً جلد سوم	ایضاً	"

زبان	نام مصنف یا مولف	نام کتاب	نمبر شمار
اُردو	مترجمہ نوازش علی خاں	ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطا	۱۷
"	شمس العلماء خان بہادر ذکاء اللہ خاں	تاریخ ہند	۱۸
"	خلیفہ محمد حسین	ترجمہ سفرنامہ ڈاکٹر برنیر	۱۹
"	شمس العلماء مولانا محمد شبلی نعمانی	رسائل شبلی	۲۰
"	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد	دربار اکبری	۲۱
"	مسٹر ولیم۔ آرون صاحب	ترجمہ تاریخ فرخ آباد	۲۲
"	محمد عباس	تزک افغانی ارمغان شاہجہانی	۲۳
"	مولوی رضی الدین صدیقی فرشوری	تذکرۃ الواصلین	۲۴
"	مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی	سوانح عمری بابر بادشاہ	۲۵
"	منشی محمد دین	حیات زیب النساء	۲۶
"	حکیم فیض احمد ماہروی	المشاہیر	۲۷
"	مؤلف آثار خیر	حیات صالح	۲۸
"	ایضاً	حیات خسرو	۲۹

فہرست مضامین

باب دوم محکمہ طب اور شفاخانے



باب اول

شعبہ تعلیم ۔ علمی فیاضی ۔ مدرسے ۔ کتب خانے

مسلمانوں کے اقبال کے زمانہ میں جس طرح کہ دیگر ممالک اسلامیہ علمی یادگاروں سے معمور تھے اسی طرح ہندوستان بھی علمی فیاضیوں سے جنت نشان ہو رہا تھا آج اگر ہندوستان کے مسلمان بادشاہ اور امیروں کی علمی فیاضیوں کے مفصل حالات قلمبند کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے اس زمانہ کے ایک ہندو مورخ نے اپنی جدید تالیف میں نہ صرف ان باتوں کو قلم انداز کر دیا ہے بلکہ الٹا مسلمان بادشاہوں پر یہ الزام لگایا ہے ۔ کہ مسلمانوں کے وقت میں مدرسہ جات اور مکتب بہت سے تھے مگر سرکار وقت کی طرف سے کوئی امداد اُن کی نہیں ہوتی تھی۔ [1]

---

[1] ہندوستان گذشتہ و حال مطبوعہ سنہ ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۰۴

تعجب ہے کہ فاضل مورخ نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی علمی قدردانی سے جس کے ثبوت میں ہزاروں مستند تاریخی شہادتیں موجود ہیں صاف انکار کیا ہے حالانکہ ان بادشاہوں نے عام علمی فیاضیوں کے علاوہ خاص درس و تدریس کیلئے بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوائیں تھیں۔ اور اُن کے اخراجات کیواسطے دیہات وقف کیے تھے جنکے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ اُس زمانہ میں عام طور سے مسجدوں کے صحن۔ خانقاہوں کے حجرے۔ علما کے مکانات مدرسہ یا دار العلوم کا کام دیتے تھے۔ لیکن سلطنت کی طرف سے اُن علما کی جو درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے بڑی عزت اور وقعت کیجاتی تھی۔ اور اُن کے واسطے بڑی بڑی جاگیریں اور وظیفے مقرر ہوجاتے تھے عام طور سے مسلمان اس طریقہ کے ایسے خوگر ہوگئے تھے کہ شاہی مدرسوں میں تعلیم پانے کو موجب جاہ و ثروت حاصل کرنے کا سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب نظام الملک طوسی نے بغداد میں مشہور مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کا حال ماوراء النہر کے علما کو معلوم ہوا تو سب نے مجلس ماتم منعقد کی۔ اور اس بات پر روئے کہ اب علم، علم کے لئے نہیں بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے گا۔[ل] یہی وجہ ہے کہ مدرسوں کا طریقہ رواج عام حاصل نہ کرسکا۔ اور ان سادہ اور بے تکلف عمارتوں سے جیسے مجتہد۔ فقیہ۔ ادیب۔ شاعر۔ مصنف مورخ اور دیگر اہل کمال کمال حاصل کرکے نکلے ویسے ان عالیشان عمارتوں (مدرسوں) سے نہ پیدا ہوسکے۔

اسلامیہ ممالک میں تعلیم کی وسعت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ تمام جاگیریں جو تعلیم

ل۔ رسائل شبلی صفحہ ۶۹۔

کے متعلق حرمت ہوتی نہیں علی العموم وقف سمجھی جاتی تھیں۔ اور وقف میں شرعاً کسی کو تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ پس جو نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا کچھ نہ کچھ اپنی طرف سے اضافہ کرتا تھا۔ اور اگر کوئی عیاش مزاج بادشاہ اضافہ نہ بھی کرتا تو بھی۔ پورانی اوقاف کو تو ضرور قایم رکھتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں باوجود سلطنت کے پے درپے انقلابوں کے بہت سے پرانے اوقاف برٹش گورنمنٹ کے عہد تک موجود تھے۔ اور برٹش گورنمنٹ نے بھی براہ معدلت کیشی ورعایا نوازی اون اوقاف کو بدستور سابق مالگذاری سے بری رکھا۔ لیکن عام مسلمانوں کی غفلت اور متولیان وقف کی جہالت سے اِن اوقاف کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوچکا ہے۔ اور جو کچھ باقی ہے وہ ضائع ہو رہا ہے۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں بیان کرسکتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں علمی عمارت کی بنیاد رکھنے میں اولیت کا فخر کس

مدرسہ محمد بختیار خلجی

بزرگ کو حاصل تھا۔ لیکن میری محدود تاریخی واقفیت میں اس ملک میں سب سے پہلے جس شخص نے علمی عمارت کی بنیاد ڈالی وہ سلطان شہاب الدین محمد غوری کا مشہور سپہ سالار محمد بختیار خلجی تھا۔ جب اس نے بنگالہ اور بہار فتح کرکے ایک شہر رنگ پور کے نام سے بسایا اور اوس کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اور مسجدیں اور عبادت خانے بنائے تو کئی مدرسے بھی رنگ پور اور دیگر شہروں میں تعمیر کرائے۔[1]

مدرسہ مولانا قطب الدین کاشانی رحمہ

اسی شہاب الدین محمد غوری کے دوسرے سپہ سالار ناصر الدین قباچہ والئی ملتان کے عہد میں جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراءالنہر سے ملتان میں تشریف لائے تو ناصر الدین مذکور نے ایک مدرسہ اُن کے واسطے تعمیر کرایا۔ مولانا موصوف اپنے عہد کے بے نظیر عالم تھے۔ نماز ظہر اُس مدرسہ میں ادا کرکے درس میں مشغول ہوتے تھے۔[2]

۱؎ تاریخ فرشتہ مقالہ ہفتم ذکر محمد بختیار ۲؎ تاریخ فرشتہ مقالہ دوازدہم ذکر شیخ بہاء الدین ذکریا قدس سرہ

غلام خاندان کے عہد میں علمی فیاضیاں

ترکوں کے عہد میں جو غلاموں کے خاندان کے نام سے موسوم ہے سلطان شمس الدین التمش - سلطان ناصر الدین محمود شاہ - سلطان غیاث الدین بلبن کی علمی فیاضیاں - محمودی اور سنجری درباروں کی علمی فیاضیوں کا مقابلہ کرتی تھیں بڑے بڑے علما - فضلا - شعرا - ان سرکاروں سے بیش و قرار وظیفے پاتے تھے - شمس الدین التمش کے عہد میں جب ناصری نام ایک شاعر ولایت سے دہلی میں آیا - اور ۵۳ شعر کا ایک قصیدہ سلطان کی تعریف میں لکھکر سنایا تو بادشاہ نے ترپن ہزار تنگہ سفید اُس کو انعام میں مرحمت کئے[لہ] اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے -

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ	تیغ تو مال و فیل ز کفار خواستہ

اسی عہد میں امیر روحانی جو اپنے عہد کا بڑا مشہور فاضل تھا - بخارا سے ہندوستان میں آیا - بادشاہ نے اُس کی بڑی خاطر کی اور وظیفہ مقرر کر دیا -

سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا بیٹا شاہزادہ محمد سلطان جو ملتان کا حاکم تھا - علمی قدردانی اور کمال پروری میں شہرۂ آفاق تھا - اُس کے عہد میں ملتان رشک بغداد ہو رہا ہے امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ کے علاوہ بڑے بڑے باکمال اُس کے دربار میں جمع تھے - اس نے دو مرتبہ اپنے مقربوں کو بہت سا روپیہ اور نادر و نایاب تحفہ دیکر شیراز میں - شیخ سعدیؒ کی خدمت میں روانہ کیا - اور نہایت ادب سے لکھا کہ اگر حضور اپنے قدوم میمنت لزوم سے خطۂ ملتان کو رشک گلستاں ارم بنائیں تو حضور کے واسطے ایک خانقاہ طیار کر کر اوس کے اخراجات کے واسطے کچھ دیہات وقف کروں - حضرت شیخ نے دونوں مرتبہ ضعف پیری کا عذر تحریر کیا - اور ہر بار اپنے ہاتھ سے اپنے کلام کی بیاض مرتب

لہ منتخب التواریخ مُلا عبد القادر بدایونی -

کر کے شاہزادہ کے پاس روانہ کی۔[۱]

دہلی کا مدرسہ معزیہ

معزالدین کیقباد نے باوجود اس کے کہ عیش وعشرت کا پتلا تھا دہلی میں ایک مدرسہ تعمیر کرا کر مدرسہ معزیہ کے نام سے موسوم کیا۔ اس مدرسہ میں مولانا بدرالدین اسحٰق جو بخارا کے رہنے والے اور علم معقول ومنقول میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے مدرس اول تھے۔

غلاموں کے عہد کے بڑے بڑے فضلا

غلاموں کے عہد کے بڑے بڑے فضلا میں ملک تاج الدین دبیر۔ شہاب مہرہ بدایونی۔ امیر فخرالدین عمید تولکی۔ ملا عمادالدین۔ ملا جلال الدین فخرالملک عصامی۔ نورالدین محمد عوفی قاضی منہاج السراج جرجانی صاحب طبقات ناصری۔ اور ملا شمس الدین دبیر بہت مشہور ہیں۔ ملا شمس الدین قبل وزارت کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ اونہوں نے مطالعہ خاص کے واسطے ایک حجرہ مخصوص کر رکھا تھا۔ تین صاحب استعداد شاگرد اس حجرے میں سبق پڑھتے تھے باقی شاگرد اس کے باہر درس کرتے تھے۔ ان تین شاگردوں میں ایک ملا قطب الدین ناقلہ۔ دوسرے ملا برہان الدین عبدالباقی اور تیسرے حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ تھے۔

خلجیوں کے عہد کی علمی سرگرمیاں

خلجیوں کے عہد میں سلطان جلال الدین اور سلطان علاؤالدین کا زمانہ علمی معاملات میں ممتاز رہا ہے۔ سلطان جلال الدین کے زمانہ میں ملا تاج الدین عراقی۔ حضرت امیر خسرو حضرت امیر حسن۔ ملا مؤید جاجرمی۔ ملا مؤید دیوانہ۔ امیر ارسلان کلاہی۔ ملا اختیار الدین۔ قاضی مغیث ہانسوی۔ ملا سعد منطقی۔ قاضی خطیب وغیرہ بڑے بڑے فاضل اوس کے مصاحبوں میں داخل تھے۔ سلطان علاؤالدین۔ باوجود اس کے کہ علم سے بالکل بے بہرہ تھا لیکن علما کی قدردانی سب سے زیادہ کرتا تھا۔ اس کے عہد میں حضرت امیر خسرو ہزار تنکہ۔ ماہوار

---

[۱] حیات خسرو صفحہ ۱۳۱۔ [۲] تاریخ فرشتہ مقالہ ۱۲ [۳] حالات سلطان المشائخ حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج رح

تنخواہ پاتے تھے۔ ان کی تصانیف کا سب سے بڑا حصہ اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ خاں اپنی تاریخ میں اس بادشاہ کے علم اور مذہب کی کیفیت لکھتے ہیں وہ کہ کیا قدرت الٰہی ہے کہ جس بادشاہ کے علم اور مذہب کا یہ حال ہو اُس کے عہد میں اسلام کی وہ رونق ہوئی ہو کہ کسی اور بادشاہ دیندار اور عالم کے عہد میں نہ ہوئی ہو۔ جس بادشاہ کو ذرا رغبت علم کی طرف نہ ہو۔ اُس کے زمانہ میں وہ عالم اور فاضل جمع ہوں کہ جن کا جواب کہیں نہ ہو۔ جو بادشاہ خود ایسا لامذہب ہو اُسی کی بادشاہی میں مسلمانوں کو وہ پابندی احکام شرعی کی اور اتقا اور پرہیزگاری ہو کہ پہلے کبھی ایسی نہ ہوئی ہو۔ اگر اُس کے عہد کے عالموں اور شیوخ الاسلام اور ہر فن کے ماہر اور علم کے اُستاد اور صاحب کمالوں کا حال بیان کیا جائے تو اُس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔ حضرت نظام الدینؒ اور امیر خسروؒ کے حالات لکھنے کے واسطے ایک کتاب چاہیئے۔

مبارک شاہ خلجی کو باوجود اس کے کہ علمی معاملات سے بالکل دلچسپی نہ تھی لیکن جب حضرت امیر خسروؒ نے مثنوی نہ سپہر اُس کے نام پر لکھکر پیش کی تو اُس نے اِس مثنوی کے صلہ میں ہاتھی کے ہموزن زر و جواہر اُن کو مرحمت کیا۔ جس کا ذکر حضرت امیر خسروؒ نے اِس مثنوی میں خود کیا ہے[۵]۔

تغلقوں کے عہد میں علمی نوازشیں

تغلقوں کے عہد میں غیاث الدین تغلق۔ محمد شاہ تغلق۔ اور سب سے زیادہ فیروز شاہ تغلق کا زمانہ علمی یادگاروں سے معمور ہے۔ غیاث الدین تغلق سب بادشاہوں سے زیادہ امیر خسروؒ کی خاطر اور وقعت کرتا تھا۔ اُن کی سب سے آخری تصنیف تغلق نامہ اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔

[۵] حیات خسرو صفحہ ۵۲ - ۵۳ -

محمد شاہ تغلق کی نسبت صاحب تاریخ فرشتہ تحریر کرتے ہیں کہ اُس کی بادشاہی میں اول سے آخر تک علماء اور فضلا اور اہل ہنر اس کے عواطف و مراحم کی امید میں عراق خراسان - ماوراء النہر - ترکستان - اور عرب سے ہندوستان میں آتے تھے - اور امید سے زیادہ مورد انعام اور نوازش ہوتے تھے - اس کی فیاضی کا یہ عالم تھا - کہ ایک دن میں ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ روپیہ اور ملک الملوک عماد الدین کو ستر لاکھ تنگہ[۱] اور اپنے اُستاد مولانا عضد الدین کو چالیس ہزار تنگہ انعام میں مرحمت کئے - اور مولانا ناصر الدین کامی اور ملک غازی کا جو فضلاء عہد سے تھے لاکھ لاکھ تنگہ سالانہ وظیفہ مقرر تھا - یہ بادشاہ خود بھی جمیع علوم معقول خصوصاً علم طب اور حکمت اور نجوم اور ریاضی اور منطق میں مہارت رکھتا تھا - بیماروں کا خود معالجہ کرتا اور تشخیص مرض میں اطبائے عصر سے طالب علمانہ بحث کرتا تھا - اور سعد منطقی - اور عبید شاعر - اور ملا نجم الدین انتشار اور مولانا علم الدین شیرازی اور دیگر علماء سے ہم صحبت رہکر کتب متقدمین میں بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا"

فیروز شاہ تغلق کے مدرسے

فیروز شاہ تغلق نے عام علمی فیاضیوں اور امورات رفاہ عام کے علاوہ اپنے ممالک محروسہ کے مختلف مقامات میں تیس عالیشان مدرسے تعمیر کرا کر ان میں عالم - ادیب - خوشنویس متعین کئے - ان مدرسوں میں دینی اور دنیوی دونوں طرح کی تعلیم ہوتی تھی - تمام مدرس اور دیگر ملازمین خزانہ شاہی سے نقد تنخواہ پاتے تھے[۲]

سلطان سکندر لودی کی علمی فیاضیاں

لودیوں میں سلطان سکندر لودی کو علمی معاملات میں خاص دلچسپی تھی - اُس نے علماء

---

۱ - بموجب تحقیقات نظام الدین احمد صاحب طبقات اکبری اس تنگہ سے مراد وہ چاندی کا سکہ ہے جسمیں کچھ حصہ تانبے کا شامل ہوتا تھا - اور ایک تنگہ سوا پیسے میں چلتا تھا -

۲ - تاریخ ہند شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خان و فرشتہ وغیرہ -

کو ایسی بڑی بڑی جاگیریں دیں جو پہلے کبھی بڑی سلطنتوں میں بھی نہیں دی گئی تھیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے اسی بادشاہ نے اپنی ہندو رعایا کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ اس سے پہلے ہندو فارسی کو ملیکش بھاشا لکھ کر اس سے متنفر رہے۔ سلطان سکندر لودی نے اول کائیتوں کو فارسی پڑھنے پر آمادہ کیا۔ اُن کی دیکھا دیکھی اور ہندو قومیں بھی فارسی۔ عربی پڑھنے لگیں۔ اور اسی بادشاہ کے عہد میں انہوں نے مسلمانوں کے علوم میں ایسی لیاقت حاصل کر لی کہ خود ان علوم کا درس دینے لگے۔ پنڈت ڈونگر مل تو شاعر ہو گئے جن کا یہ مطلع بہت مشہور ہے ؎

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر　　　رہ گم نہ شدے زلف تو ابتر نشدے گر

اس بادشاہ نے مسلمانوں کے علاوہ ہندؤں کو بھی بہت سی جاگیریں عطا کی تھیں۔

سکندر لودی کے عہد میں بڑے بڑے علما اور فضلا مثل مُلّا سید محمد جونپوری۔ سید نعمت اللہ حسینی۔ شیخ عبداللہ طلنبی۔ شیخ عزیز اللہ سنبھلی۔ شیخ الہدیہ جونپوری۔ میر سید جلال بدایونی۔ میاں شیخ گوالیاری۔ میاں حاتم سنبھلی۔ مولانا شیخ جمالی کنبوہ صاحب سیر العارفین۔ میاں لاڈن۔ مفتی جمال خاں دہلوی ملک کے مختلف حصوں میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ صاحب منتخب التواریخ کا بیان ہے کہ حضرت[1] شیخ عبداللہ کے شاگردوں میں چالیس آدمیوں سے زیادہ عالم متبحر ہو گئے۔ سلطان سکندر اُن کی اس قدر وقعت کرتا تھا۔ کہ جب اُن کے درس کے وقت آتا تو چپکا ایک کونے میں بیٹھ جاتا تھا۔ کہ اُن کا اور طالب علموں کا حرج نہ ہو۔ جب وہ درس سے

[1] شیخ عبداللہ نے ۹۲۲ھ میں وفات پائی۔ اُولٰئِکَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ العُلیٰ اُن کے انتقال کی تاریخ ہے۔

سے فارغ ہوتے اُس وقت سلام علیک کرکے پہروں اُن کی خدمت میں بیٹھا کرتا تھا۔ شیخ عزیز اللہ بھی بڑے فاضل تھے مشکل مشکل کتابوں کا درس بلا دیکھے دیتے تھے۔ اُن کے شاگردوں میں میاں حاتم سنبھلی بہت مشہور ہوئے جنہوں نے اپنی عمر میں تیس مرتبہ سے زیادہ شرح مفتاح اور چالیس مرتبہ مطول اول سے آخر تک پڑہائی تھی۔ ہندوستان میں علم معقول کا رواج بھی۔ شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ کی وجہ سے ہوا۔ اس سے پہلے فقط شرح شمسیہ اور شرح صحائف کا منطق اور کلام میں یہاں رواج تھا۔ شیخ الہدیہ جونپوری کی بھی بہت سی تصانیف مشہور ہیں۔ فقہ میں ہدایہ کا حاشیہ کئی جلدوں میں لکھا ہے۔ اور کافیہ کی شرح بھی بہت اچھی لکھی ہے۔ تفسیر مدارک وغیرہ پر جو حواشی لکھے ہیں وہ اب تک درس میں داخل ہیں۔

شیخ جمالی بھی یہ ہمہ صفت موصوف تھے۔ آدھی رات سے اشراق تک عبادات اور مشاہدات میں مشغول رہتے۔ اور اشراق سے دوپہر تک علما اور صلحا کو درس دیتے تھے۔ اقصائے عالم کی اونہوں نے خوب سیر کی۔ اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ جب اس سفر سے دہلی واپس آئے اُس وقت سلطان سکندر سنبھل میں مقیم تھا۔ آپ کی واپسی کا حال سنتے ہی شوق ملاقات نے بیچین کردیا۔ یہ اشتیاق تمام نامہ منظومہ بدستخط خاص لکھکر شیخ کی طلب میں روانہ کیا۔ اور مثنوی مہر و ماہ جو شیخ کی تصنیف سے تھی منگائی۔ وہ رقعہ یہ ہے

اے مخزن گنج لایزالی		اے سالک راہ دیں جمالی	
در گرد جہاں بسے زدہ سیر	۵	در منزل خود رسیدہ بالخیر	
بودے تو مسافر زمانہ		الحمد کہ آمدی بخانہ	

رقعۂ منظوم سلطان سکندر بنام مولانا شیخ جمالی دہلوی

در مکّہ و در مدینہ گشتی	گوہر بودی خزینہ گشتی
اے شیخ بما برس بزودی	بسیار مسافرت نمودی
بکشائے بسوئے درگہم گام	تا در یابی ز کلّگرخی کام
چشم بجمال تو طپان است	دل مرغ مثال در فغان است
من اسکندر تو خضر مائی	آں بہ کہ بسوئے ما بیائی
در شیخ ز دوستاں نہ شد سیر	تشریف نمودنش کشد دیر
باید کہ کتاب مہر و ماہم	ارسال دہد چنانکہ خواہم

از مہر کشد دو دیدہ را نور
آں مہ نشود ز دیدہ ام دور

شیخ جمالی نے اس کے جواب میں رقعہ منظومہ تحریر کرکے مثنوی مہر و ماہ بادشاہ کے پاس بھیجدی۔ کتاب اور خط کو دیکھکر بادشاہ کا شوق اور بڑہا۔ اور شیخ جمالی کے پیر حضرت شیخ سماء الدین کے ذریعہ سے پھر اُن کو طلب کیا حضرت نے شیخ کو سنبھل روانہ کیا جب سنبھل کے نزدیک پہنچے بادشاہ دو تین کوس تک خود استقبال کے واسطے آیا۔ اور نہایت اعزاز و اکرام سے اپنے ساتھ لے گیا۔ اور اپنی زندگی تک پھر جدا نہیں ہونے دیا۔[1] مولانا جمالی نے ایک قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں۔ بیت

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات مے نگری در تبسمی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ بعض صلحا کو حضور سرور

۱۔ الشاہیر صفحہ ۲۱۴-۲۱۵-

کائنات تا سے اس بیت کے مقبول ہونے کی بشارت ہوئی ہے۔ اور آپ نے نہایت خوشی سے فرمایا "ہذا المدحی" یعنی یہ میری سچی صفت ہے۔

شیر شاہ اور سلیم شاہ سوری کی علمی قدردانیاں

شیر شاہ سور اور سلیم شاہ سور دونوں عالموں اور فاضلوں کے ساتھ نہایت اعزاز و اکرام کا برتاؤ کرتے تھے۔ جب شیر شاہ کو یہ حال معلوم ہوا کہ آئمہ اور مخادیم سلطان ابراہیم کے بعد عمال کو رشوت دے کر اپنے استحقاق سے زیادہ زمین پر متصرف ہو گئے ہیں تو اس نے خود تحقیقات کی اور جس کا جو حق تھا وہ دیدیا اور کسی کو محروم نہیں رکھا اور سب کو زادِ راہ دے کر رخصت کیا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا "کہ بادشاہ کو لازم ہے کہ وہ علماء اور فضلا کی مدد معاش مقرر کرے کیونکہ ہندوستان کے شہروں کی رونق اور آبادی ان ہی لوگوں سے ہے جو طالب علم اور مسافر بادشاہ تک نہیں پہنچ سکتے وہ ان سے فیض پاتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں" اُن سے حکمت و دین کے علوم کو رونق ہوتی ہے"[۱]

شیر شاہ سور اپنے عہد کے سب سے بڑے فاضل شیخ بڈھ کی اس قدر وقعت کرتا تھا کہ خود اُن کی جوتیاں سیدھی کر کے اُن کے سامنے رکھتا تھا۔ ملک محمد جائسی نے ۹۴۷ھ میں بھاکا زبان میں بے نظیر کتاب پدماوت اسی بادشاہ کے نام پر لکھی ہے۔ اس میں بادشاہ کی تعریف اس بیت سے شروع کی ہے۔

شیر شاہ دہلی سلطانوں ۔۔۔ چار ہنہ کھنڈ تپے جس بھانوں

ترجمہ۔ شیر شاہ دہلی کا بادشاہ ہے ۔۔۔ چاروں طرف جہاں کو روشن ہی مثل آفتاب کے

سلیم شاہ کے عہد کے علماء میں شیخ عبدالحئی اور شیخ علائی بہت مشہور ہیں۔ انمیں شیخ عبدالحئی بادشاہ کے مصاحبوں میں داخل تھے۔

۱؎ تاریخ ہند شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں۔

دکن کے شاہان بہمنیہ علمی سخاوتوں میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان کی علمی قدردانی اور کمال پروری کا شہرہ سن سن کر عرب و عجم کے علما۔ صلحا۔ فقرا۔ شعرا۔ مشائخ ان کے درباروں میں چلے آتے تھے۔ اور دریاشاں ہاتوں سے سیراب ہو کر بقیہ عمر کو عیش و آرام اور درس و تدریس میں بسر کرتے تھے۔

سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں ایران کا ایک شاعر دکن میں آیا۔ اور بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھکر میر فیض اللہ انجو کے ذریعہ سے جو عہدے صدرات پر سرفراز تھے دربار میں پیش کیا۔ بادشاہ نے اسی وقت ایک ہزار اشرفیاں انعام میں دیں۔ جب وہ ایران واپس گیا اور وہاں بادشاہ کی علمی قدردانی کا حال بیان کیا تو حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ نے بھی دکن کا قصد کیا۔ لیکن بعض موانع کے سبب سے جب آپ کے تشریف لانے میں تامل ہوا۔ اور یہ خبر میر فیض اللہ کے ذریعے سے بادشاہ کو معلوم ہوئی تو کچھ روپیہ زاد راہ کے واسطے خواجہ کی خدمت میں روانہ کر کے لکھا کہ اگر آپ دکن کو اپنے وجود فیض بخش سے رشک روضۂ رضواں بنا دیں تو اہالی اس دیار کے شکر قدوم میمنت لزوم بجا لا دیں اور بعد حصول نقد مطالب و مقاصد آپ کو بہ خیر و سعادت شیراز کی طرف روانہ کریں“۔ اس خط اور خرچ کے پہنچنے پر حضرت خواجہ نے سامان سفر درست کر کے ہندوستان کا قصد کیا اور شیراز سے بندر ہرمز میں آئے۔ جب جہاز محمود شاہی میں جو دکن سے خواجہ کے لینے کے واسطے آیا تھا سوار ہوئے اتفاق سے بادِ مخالف کے چلنے سے سمندر میں جوش اور طلاطم پیدا ہوا۔ یہ حال دیکھکر خواجہ کو بحری سفر سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور دوستوں سے ملنے کا بہانہ کر کے جہاز پر سے اتر پڑے۔ اور ایک غزل موزوں کر کے ایک شخص کے ہاتھ میر فیض اللہ انجو کے پاس بھیجدی۔ اس غزل کے چند شعر یہ ہیں۔

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی آزرد	بہ مے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی آزرد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں دروددرج است	کلاہ دلکش ست اما بترک سر نمی آزرد
بسے آساں نمود اول غم دریا ببوئے زر	غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی آزرد

چو حافظ در قناعت کوش وازدنیای دون بگذر
کہ یک جو منت دونان جہاں یکسر نمی آزرد

جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو ملا قاسم مشہدی کے ہاتھ جو فضلاے عہد سے تھا ہزار اشرفیاں نقد اور دیگر تحایف خواجہ کے واسطے شیراز کو روانہ فرمائے۔

اس بادشاہ نے اپنے تمام قلمرو میں علمار اور محدثین کے نقد و ظیفے مقرر کر دئے تھے۔ اور اُن کی تعظیم و تکریم بھی بہت کرتا تھا۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی کے دربار میں ہر مذہب و ملت کے علما بیش قرار تنخواہوں پر مقرر تھے۔ اس کو علمی معاملات سے اس قدر دلچسپی تھی کہ ہفتہ میں تین دن یعنی شنبہ۔ دوشنبہ۔ چہارشنبہ کو خود طالبعلموں کو درس دیتا تھا۔ اگر کسی دن امورات ملکی کی وجہ سے دن کو فرصت نہ ہوتی تھی تو رات کو طالب علموں کو بلاکر درس اور فیض رسانی میں مشغول ہوتا تھا۔ علما اور مشائخ کا اس قدر قدردان تھا کہ اُن سے برادرانہ سلوک رکھتا تھا۔ اور اُن سے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میں جس وقت تخت پر متمکن رہتا ہوں اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہوں۔ اور جب آپ لوگوں سے ہم صحبت ہوتا ہوں تو اپنے آپ کو مثل آپ لوگوں کے سمجھتا ہوں۔ پس جیسا کہ تم لوگ آپس میں بے تکلفانہ برتاؤ رکھتے ہو ویسا ہی میرے ساتھ بھی رکھو۔

فیروز شاہ بہمنی علم و فضل میں محمد شاہ تغلق سے بڑھا ہوا تھا۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ عزنگی۔ حبشی۔ گرجی۔ تلنگی۔ افغانی۔ بنگالی۔ گجراتی۔ مرہٹی وغیرہ سب زبانیں جانتا تھا

فیروز شاہ بہمنی

توریت و انجیل کو بخوبی پڑھ سکتا تھا۔ ریاضی میں بہت اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتا تھا۔ اس نے سنہ ۸۱۰ھ میں دولت آباد میں ایک رصد تعمیر ہونے کا حکم دیا اور حکیم حسن گیلانی کو جو اُس عہد کا بڑا فاضل تھا اس کا اہتمام سپرد کیا۔ مگر حکیم مذکور کے جلد مر جانے سے یہ کام ناتمام رہا۔ ملا داؤد بیدری نے کتاب تحفۃ السلاطین اسی بادشاہ کے نام پر لکھی ہے۔

ملک التجار محمود گاوان وزیر سلطان محمد شاہ بہمنی

محمد شاہ بہمنی کا وزیر ملک التجار محمود گاوان جو خطاب خواجہ جہان سے موصوف اور جود و کرم ہمت و حوصلہ میں بے نظیر اور بڑا علم دوست شخص تھا۔ ایک مرتبہ جب دو تین برس کی فتوحات کے بعد وہ احمد آباد بدر بین واپس آیا تو بادشاہ اُس کے مکان پر رونق افروز ہوا اور نہایت اعزاز و اکرام بڑھا کر ایک ہفتہ کے بعد اپنے دولت خانہ کو واپس گیا۔ اُس کے جانے کے بعد خواجہ جہان ایک حجرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے لباس فاخرہ اُتارا اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر بہت رویا۔ اس کے بعد حجرے سے برآمد ہو کر جمیع علما اور فضلا۔ اور سادات احمد آباد مذکور کو جو استحقاق رکھتے تھے طلب کیا۔ اور نقد و جنس اور جواہر اور متاع نفیسہ سے جو کچھ اپنی ملکیت میں رکھتا تھا سوائے اسپ و فیل اور کتب کے سب کو اُن میں تقسیم کر دیا اور کہا کہ الحمد للہ کہ میں نے نفس امارہ کے ہاتھ سے رہائی پائی۔ جب ملا شمس الدین محمد نے جو اعیان جرجان سے تھے اور خواجہ کی مصاحبت میں رہتے تھے یہ سوال کیا کہ آپ نے اپنا کل مال و اسباب تو خیرات کر دیا لیکن گھوڑے۔ ہاتھی اور کتابیں رہنے دیں۔ اس میں کیا بھید ہے۔ تو خواجہ نے جواب دیا کہ جس وقت بادشاہ میرے مکان پر تشریف لائے اور مخدومہ جہان (بادشاہ کی ماں کا نام یا خطاب تھا) نے مجھے بھائی کہا اُس وقت نفس امارہ کی سرکشی سے بادۂ نخوت کا جوش دماغ میں پیدا ہوا۔ لیکن توفیق ایزدی نے مدد کی اور نفس امارہ کی تنبیہ و تادیب

میں مشغول ہوا اور اسی وجہ سے میں نے اپنے جمیع اسباب تجمل کو کہ غرور و نخوت کا باعث تھا۔ اپنے پاس سے علیحدہ کر دیا۔ لیکن چونکہ تمام کتابیں طالب علموں پر وقف ہیں اور ہاتھی گھوڑے سلطان سے تعلق رکھتے ہیں اور چند روزہ عاریتاً میرے پاس ہیں اس وجہ سے ان دونوں چیزوں کے علیحدہ کرنے کا مجھے کوئی استحقاق حاصل نہ تھا۔

خواجہ جہاں نے اپنی عہد امارت میں احمد آباد بیدر میں ایک عالیشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ ملا سامعی نے اس کی تاریخ بنا میں یہ قطعہ موزوں کیا تھا۔ قطعہ

مدرسہ عالی محمود گاواں

این مدرسۂ رفیع محمود بنا چوں کعبہ شدہ ست قبلۂ اہل صفا

آثار قبول بیں کہ شد تاریخش۔ از آیت ربنا تقبل منا

صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ وقت تحریر اس کتاب تک کہ ۱۰۲۳ھ ہیں یہ مدرسہ اور اس کی مسجد اور چار طاق اور بازار بزرگ موجود ہیں اور اس مدرسہ کی نفیس اور پاکیزہ عمارت کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی معماران چابک دست نے اس کی تعمیر سے ہاتھ کھینچا ہے۔

خواجہ موصوف خود بھی۔ جمیع علوم عقلی و نقلی خصوصاً علم ریاضی اور طب میں اتصاف رکھتے تھے اور نظم و نثر اور انشا میں اپنے زمانہ میں بے نظیر اور خط سیاق خوب لکھتے تھے۔ روزانہ مہمات ملکی سے فارغ ہوکر اپنے مدرسہ میں آتے اور علما اور فقرا سے محبت رکھتے تھے اور سب کو خفیہ طور سے ہزاروں روپیئے۔ اشرفیوں اور دولت سے مالا مال کرتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے علاوہ ایران و توران۔ عرب و عجم کے فضلائے عصر کے واسطے تحفہ تحائف اور زر نقد بھیجتے رہتے تھے۔

مولانا عبد الرحمٰن جامی رح سے برابر خط و کتابت جاری رہتی تھی قصائد مولانا جامی میں

ایک قصیدہ خاص خواجہ موصوف کے نام پر ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا   الصلا کرجان ودل نزل تو کردم الصلا

اسی قصیدہ میں ایک بیت یہ بھی ہے بیت

ہم جہاں را خواجہ وہم فقر را دیباچہ اوست   آیت القصر لاکن تحت استار الغنا

خواجہ موصوف اپنی کل آمدنی کو جو ملازمت اور تجارت ممالک غیر سے حاصل ہوتی تھی اس تفصیل سے خرچ کرتے تھے۔ کہ ملازمت سے جو روپیہ حاصل ہوتا تھا اس میں سے ایک مہینہ کا گھوڑے ۔ہاتھی اور سپاہ کا خرچ نکال کر خزانہ موسومہ خزانہ شاہ میں جمع کر لیتے تھے۔ باقی اسی وقت فقرا اور مستحقین کو بانٹ دیتے تھے اور اس میں سے ایک حبہ اپنے صرف خاص میں نہ صرف کرتے تھے۔ اور شاہی ملازمت سے قبل چالیس ہزار لاری ان کے پاس موجود تھے اس سے ہر سال تجارت ہو کر جو منافع ہوتا اس میں سے ہر روز بارہ لاری اپنے صرف میں اٹھاتے بقیہ سے نصف خزانہ بحق درویشاں میں جمع کر کے اس سے علما۔ فضلا اور طالب علموں کی امداد کرتے اور نصف کو اپنی والدہ اور دیگر عزیزوں اور گوشہ نشینوں اور متوکلوں کے پاس جو ہندوستان میں نہ آئے تھے بھیج دیتے تھے۔

اس مدرسہ میں تین ہزار جلدیں کتابوں کی موجود تھیں۔ جو کل طلبا ئے مدرسہ پر وقف تھیں۔

خاندان بہمنیہ کے عہد کے بڑے بڑے فضلا میں شیخ عین الدین بیجاپوری شیخ محمد سراج میر فضل اللہ انجو۔ ملا شرف الدین مازندرانی۔ شیخ آذری صاحب بہمن نامہ۔ ملا نظیری ملا سامعی۔ ملا عبد الکریم ہمدانی۔ صاحب تاریخ محمد شاہی۔ ملا صدر جہاں شوستری۔

ملا داؤد بیدری - ملا قاسم مہندی - مولانا شمس الدین حقگو - حکیم حسن گیلانی - سید محمد گاذرونی
ملا اسحٰق سرہندی - میر نور اللہ وغیرہ بہت مشہور ہیں سلطان محمد شاہ کے عہد میں - شیخ
زین الدین رح جو حضرت شیخ برہان الدین رح کے بھانجے اور مرید تھے دولت آباد میں مقیم
تھے - انہوں نے بعض مناہی کے ارتکاب کی وجہ سے بادشاہ سے بیعت نہ کی
تھی - بادشاہ نے ان کے پاس آدمی بھیجکر پیغام دیا کہ یا تو میرے دربار میں حاضر ہو جئے یا
میری خلافت پر بیعت کر کے نوشتہ بدستخط خاص لکھ بھیجئے - شیخ نے جواب دیا "کسی
زمانہ میں اتفاق سے ایک دانشمند - ایک سید - ایک ہیجڑا ساتھ ساتھ جا رہے تھے
راستہ میں کفار کے دستِ تظلم میں گرفتار ہو گئے - وہ ان تینوں کو بتخانہ میں لیگئے اور حکم
دیا کہ جو شخص بت کو سجدہ کرے اُسے جان کی امان ہے ورنہ قتل کیا جائیگا - دانشمند
آیتہ کریمہ پر عمل کر کے بُت کا سجدہ بجالایا - اور سید نے بھی اُس کی تقلید کی جب ہیجڑے کی
نوبت آئی وہ بولا کہ میں تمام عمر اعمال ناشائستہ میں مشغول رہا ہوں نہ عالم ہوں نہ سید کہ اس
کی پناہ میں ایسا کام کروں - پھر قتل ہونا اپنا قبول کر کے بت کو سجدہ نہ کیا - اب میرا بھی قصہ
بعینہ اُسی ہیجڑے کے قصہ کے موافق ہے کہ تیرے ظلموں کا متحمل ہوں گا لیکن نہ
تیری مجلس میں حاضر ہوں گا نہ تیری خلافت کا اقرار کروں گا" آخر کار بادشاہ پشیمان ہوا اور
صدر الشریف کے ہاتھ اپنے ہاتھ سے یہ مصرعہ لکھکر شیخ کے پاس بھیجا - مصرعہ
من زان تو ام تو زان من باش - شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر بادشاہ حفظ
مراتب اور مراسم شریعت محمدی میں کوشش کرے زین الدین فقیر سے زیادہ کوئی اُسے
دوست نہ رکھے گا - اور یہ رباعی اپنے دستِ مبارک سے تحریر کر کے بادشاہ کے
پاس بھیجی - رباعی

	جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم	تا من بزیم بجز نکوئی نہ کنم آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند	

اس پر بادشاہ نے شراب فروشی کی دوکانیں اپنے ممالک محروسہ سے بند کرا دیں اور رہزنی اور ڈکیتی کا ایسا انتظام کیا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ اس کے بعد سے بادشاہ اور شیخ میں برابر خط و کتابت جاری رہی اور وہ بادشاہ کو اسی قسم کی ہمیشہ نصیحتیں کرتے رہے۔

خاندان بہمنیہ کے زوال کے بعد دکن میں عادل شاہی۔ نظام شاہی قطب شاہی بریدشاہی۔ عماد شاہی کے نام سے پانچ بڑی چھوٹی سلطنتیں قایم ہوگئیں۔ ان خاندانوں کے بھی اکثر فرمانروا علم اور اہل علم کی قدردانی میں مشہور ہیں۔ اسمعیل عادل شاہ والئے بیجاپور نے ایک دن میں پچاس ہزار ہون۔ سید احمد ہروی کے معرفت علمائے بیجاپور میں تقسیم کرائے۔ جب اس کے دربار میں مولانا شہید شاعر قمی جو علم و فضل اور کمالات شاعری میں بے نظیر تھا گجرات سے وارد ہوا تو اس نے اسے حکم دیا کہ خزانہ میں جاکر جس قدر زر تجھ سے اٹھ سکے اٹھالا مولانا نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں سفر کی وجہ سے نحیف ہو رہا ہوں اور جس دن گجرات سے چلا تھا آج سے دوچند طاقت رکھتا تھا اگر شاہ سخن پرور نکتہ فہم از راہ ذرہ پروری بعد چند روز کے اس خدمت روح پرور پر سرفراز فرمائیے تو عواطف خسروانی سے بعید نہ ہوگا۔ بادشاہ نے ہنسکر کہا کیا تو نے یہ مصرعہ نہیں سنا۔ مصرعہ

کہ آفتہا ست در تاخیر و طالب را زیاں دارد

جا اور دو مرتبہ جس قدر اٹھایا جاوے خزانہ سے اٹھالا مولانا یہ حکم سُن کر دریا سے خزانہ

اسمعیل عادل شاہ والئی بیجاپور

میں پہنچے۔ اور دو مرتبہ میں پچیس ہزار ہون طلائی اٹھالے گئے (۱)

محمد عادل شاہ کے زمانہ میں آثار شریف اور جامع مسجد بیجاپور میں دو دو مدرسہ علوم عربی کے اور ایک ایک مدرسہ فارسی اور کئی مکتب تعلیم قرآن کے جاری تھے۔ غریب طلبا کو صبح و شام کھانا بھی ملتا تھا۔ صبح کو روٹی۔ اور گوشت اور کھچڑی اور شام کو بریانی مزعفر۔ شیرینی وغیرہ خوراک میں ملتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر طالب علم کو ایک ہون ماہلو کتابوں وغیرہ کی خرچ کے واسطے ملتا تھا۔ سال کے اختتام پر ذالحجہ کے مہینہ میں لڑکوں کا امتحان لیا جاتا تھا۔ اور امتحان کے بعد حسب لیاقت انعام میں نقد ہون تقسیم ہوتے تھے۔ اور انہی کامیاب طالب علموں کو حسب لیاقت سرکاری نوکریاں بھی دی جاتی تھیں (۲)

محمد عادل شاہ والئی بیجاپور کے عہد کے مدارس

ان کے علاوہ تمام ممالک محروسہ کی بڑی بڑی مسجدوں میں مدرسے جاری تھے۔ جن میں طالب علموں کے اخراجات کے واسطے جاگیریں مقرر تھیں اور خوراک اور پوشاک کا بندوبست سرکار سے ہوتا تھا۔

برہان نظام شاہ والئی احمد نگر نے قلعہ احمد نگر کے سامنے شاہ طاہر کے واسطے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرا کر اس کو لنگر دوازدہ امام کے نام سے موسوم کیا۔ اور قصبہ جونپور اور سنور اور اسیاپور اور ہنید گاؤں اس کے اخراجات کے واسطے وقف کئے (۳)

برہان نظام شاہ کا مدرسہ لنگر دوازدہ امام

دوسرا عالیشان مدرسہ اسی بادشاہ نے احمد نگر میں بغداد کے نام سے تعمیر کرایا۔ اسی مدرسہ

مدرسہ بغداد

(۱) (تاریخ فرشتہ) ممکن ہے کہ اس میں کچھ مبالغہ ہو۔

(۲)۔ تاریخ دکن جلد سوم مطبوعہ مفید عام آگرہ۔

(۳)۔ فرشتہ۔

کے قریب شاہ حسین نظام شاہ نے اپنے عہد میں ایک مسجد کی بنا ڈالی جو مرتضیٰ نظام شاہ کے ابتدائی عہد میں قاضی بیگ طہرانی کے اہتمام سے تیار ہوئی[۱]۔

برہان نظام شاہ کے دربار میں بڑے بڑے علما اور فضلا جمع تھے۔ سنہ ۹۲۸ھ میں اس نے حضرت شاہ طاہر حسینی کو جو اس عہد میں فرقۂ امامیہ کے سب سے بڑے عالم اور بزرگ تھے قلعہ پرینڈہ سے طلب کیا اور قلعہ احمد نگر کی جامع مسجد کے مدرسہ میں درس دینے کا مستدعی ہوا۔ اور جب برہان نظام شاہ نے مذہب شیعہ اختیار کرلیا تو شاہ طاہرؒ نے ایران کے بڑے بڑے علما اور فضلا مثلاً ملا محمد امامی استرآبادی۔ شاہ جعفر۔ ملا شاہ محمد نیشاپوری۔ ملا علی استرآبادی۔ ملا رستم جرجانی ملا علی مازندرانی۔ ملا ایوب ابوالبرکات۔ ملا عزیز اللہ گیلانی۔ سید حسن مدنی وغیرہ کو احمد نگر بلاکر احمد نگر کو گلستان ارم بنا دیا۔ برہان نظام شاہ نے سب کو بڑی بڑی جاگیریں مرحمت کرکے اپنی علمی فیاضی کا ثبوت دیا۔ اور ان لوگوں کے آنے سے ملک میں تعلیم کا بہت چرچا پھیل گیا۔

ابراہیم قطب شاہ والئی گولکنڈہ کے مدارس

ابراہیم قطب شاہ والئی گولکنڈہ نے اپنی دارالخلافت میں کئی مدرسے تیار کرائے تھے[۲]۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے مدارس

جب سلطان محمد قلی قطب شاہ نے گولکنڈہ کے پاس بھاگ نگر (حیدرآباد) آباد کیا اور اس میں مسجد اور حمام اور شفاخانے تعمیر کرائے تو کئی مدرسے بھی بنوائے۔ تمام استادوں کو خزانہ شاہی سے تنخواہیں ملتی تھیں[۳]۔

۱ھ۔ فرشتہ

۲ھ۔ تاریخ ہند شمس العلماء ذکاء اللہ خاں ۳ھ۔ تاریخ ہند شمس العلماء ذکاء اللہ خاں۔

شیخ محمد خاتون

عبد اللہ قطب شاہ والئی گولکنڈہ کا پیشوا شیخ محمد خاتون بڑا ذی علم اور اہل علم کا قدردان تھا۔ خدمات شاہی کے انجام دینے کے بعد درس و تدریس میں مشغول رہتا تھا۔ روزانہ صبح کے وقت علما۔ فضلا۔ شعرا اُس کے یہاں جمع ہوتے تھے۔ اور کتب تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ حکمت۔ ریاضی۔ منطق وغیرہ اُس سے پڑھتے تھے۔ سہ شنبہ کے دن تعطیل رہتی تھی اُس دن تمام ارباب کمال حاضر ہوتے اور علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے۔

سید احمد

عبد اللہ قطب شاہ کا داماد سید احمد ریاضی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتا تھا اور اسی وجہ سے ماہرین علم ریاضی کا بڑا قدردان تھا۔ جب پادری افراہیم ۱۰۶۲ھ میں پیگو کے ارادہ سے گولکنڈہ آیا۔ اور سید احمد کو معلوم ہوا کہ وہ ریاضی میں بہت ہوشیار ہے تو اُس کو اپنے پاس رکھنا چاہا اور کہا کہ اپنے پاس سے آپ کے رہنے کے واسطے مکان اور عبادت کے واسطے گرجا بنوا دوں گا۔ اور چونکہ پرتگال اور امریکہ سے بہت سے عیسائی تجار آتے رہتے ہیں لہذا یہاں بھی آپ خالی نہ رہیں گے۔ لیکن پادری نے ٹھیرنا منظور نہ کیا اور سید احمد کا عطیہ خلعت لیکر چلدیا (۱)

سلطان محمود خلجی والئی مانڈو

صوبہ مالوہ کے فرمانروایان خلجی کے عہد میں شادی آباد مانڈو علم و فضل کا مرکز ہو رہا تھا۔ سلطان محمود خلجی کے زمانہ میں تمام صوبہ مالوہ علمی یادگاروں سے معمور ہو گیا۔ اُس کی علمی قدردانی اور کمال پروری کا یہ حال تھا کہ جس مقام میں کسی اہل علم و اہل کمال کا حال سنتا زر نقد بھیجکر اُسے فوراً طلب کرلیتا تھا اوس کے ایام سلطنت میں تمام ممالک محروسہ میں مدرسے جاری تھے۔ جن میں علما فضلا اور طلبا کے بیش قرار وظیفے مقرر تھے۔ اور ان علمی فیاضیوں سے تمام ملک شیراز و سمرقند ہو رہا تھا۔

(۱) تاریخ دکن جلد سوم سلسلہ آصفیہ۔

مدرسہ اجین
سلطان کی علمی یادگاروں کے دو تین نشانات صوبہ مالوہ میں اب تک موجود ہیں ان میں ایک اجین کا مدرسہ ہے۔ اس کی نسبت صاحب تاریخ افغانی[1] لکھتے ہیں: "یہاں ایک مدرسہ عالیشان بادشاہی تھا جس کے حجرات جواب باقی ہیں انہیں راقم نے بیل بندھے ہوئے دیکھے اور مدرسہ کی مسجد میں گھانس بھری ہوئی پائی"

مدرسہ مانڈو
ایک عالیشان مدرسہ جامع مسجد مانڈو کے مشرقی دالان میں تھا اس کے بھی نشانات اب تک موجود ہیں۔

مدرسہ سارنگ پور
ایک عالیشان مدرسہ سارنگ پور میں تھا۔ اس کی بھی کچھ ٹوٹی ہوئی عمارت باقی ہے۔ اس مدرسہ میں کتبہ بھی کندہ تھا جس کا پتھر ٹوٹ گیا۔ اور درمیان کی عبارت تلف ہو گئی جس قدر باقی ہے وہ یہ ہے "بناء ہذا المدرسہ فی عہد السلطان الاعظم معین الدنیا والدین محمود شاہ الخلجی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔ فی عمل ملک مدایخان الثانی والعشرین من شہر ربیع الاول سنہ سبع وتسعین وثمان مائۃ"

مدرسہ ظفرآباد
سلطان غیاث الدین خلجی نے ظفر آباد نعلچہ میں ایک مدرسہ بنوایا تھا جو سلطان محمود ثانی کے عہد تک موجود تھا۔

سلطان مظفر شاہ گجراتی
سلطان مظفر شاہ گجراتی اہل علم کا بڑا قدردان تھا۔ اس کے عہد میں ایران و توران اور روم و عرب کے عالم فاضل اس کی قدردانی کی شہرت سن کر گجرات میں چلے آتے تھے۔ اسی کی عہد میں مشہور خوشنویس محمود سیاوش شیراز سے گجرات میں آیا تھا۔

شاہ غیاث الدین والی بنگال
بنگالہ کے خود مختار حکمرانوں میں سلطان غیاث الدین کو علمی قدردانی کا بڑا جوش تھا۔ اس نیک نیت اور بلند حوصلہ بادشاہ نے مکہ معظمہ میں مدرسہ قایم کرنے کے لئے

[1] سنہ ۱۲۹۸ھ کی تالیف ہے۔

اپنے خادم یاقوت نام کو مولانا حسن بن عجلان شریف مکہ کے پاس زر خطیر دے کر روانہ کیا۔ یاقوت نے شریف کی اجازت سے باب الهانی کے قریب بارہ ہزار مثقال میں دو مکان خرید کرکے مدرسہ بنوانا شروع کیا۔ رمضان ۸۱۳ھ میں مدرسہ کی تعمیر شروع ہوئی اور ماہ صفر ۸۱۴ھ میں انجام کو پہنچی۔ مدرسہ کے متعلق بہت سے ایوانات اور مکانات تیار ہوئے اور اُس کے آیندہ کے اخراجات کے واسطے جائداد خرید کرکے وقف کی گئی۔ ۷ محرم ۸۱۴ھ کو یہ مدرسہ بڑی شان وشوکت سے کھولا گیا۔ ساٹھ طالب علم اُسی وقت مدرسہ میں داخل ہوئے اور سب کے لئے وظیفہ مقرر ہوا۔ چاروں مذہب کے مدرس مقرر تھے۔ اور ہر ایک کے درس کا الگ الگ وقت مقرر تھا۔ صاحب خزانہ عامرہ لکھتے ہیں کہ یہ مدرسہ اب تک موجود ہے۔ اور میں نے قیام مکۂ معظمہ میں خود جاکر اُس کو دیکھا تھا۔ سلطان غیاث الدین نے اس مدرسے کے علاوہ چار مدرسہ مکۂ معظمہ میں اور قایم کئے تھے[۲]

سلطان غیاث الدین کی علمی قدردانی کا حال سُن کر خواجہ حافظ شیرازیؒ نے بھی ایک غزل موزوں کرکے اُس کے پاس بھیجی تھی۔ سلطان موصوف نے اُس کے صلے میں بہت سا زر نقد خواجہ کے پاس روانہ کیا۔ اس غزل کی دو شعر یہ ہیں

شکر شکن شوند همه طوطیان هند	زیں قند پارسی که به بنگاله میرود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث الدین	غافل مشو که کار تو از ناله میرود

بنگالہ کا آخری خود مختار فرمانروا سلیمان کرانی بڑا صاحب دل اور پرہیزگار تھا۔ ڈیڑھ سو عالم اور مشایخ اس کی صحبت میں رہتے تھے۔ اوس کا قاعدہ تھا کہ ہمیشہ پچھلی رات

[۱] ۱۲۶۰ھ کی تالیف ہے۔ [۲] رسائل شبلی و خزانہ عامرہ۔

سے اٹھتا تھا۔ نماز تہجد جماعت سے پڑھتا تھا۔ صبح تک قال اللہ وقال الرسول سے صحبت نورانی رہتی تھی۔ تفسیر اور حدیث اور ذکر الٰہی سنتا رہتا تھا۔ صبح کی نماز پڑھکر مہمات ملکی۔ سپاہ و رعیت کے مقدمات۔ حساب کتاب لین دین کے کاروبار میں رہتا تھا۔ تقسیم اوقات کا ایسا انتظام کیا تھا کہ ایک ساعت ضائع نہ ہونے دیتا تھا[۱]۔

شاہان شرقی (جونپور) کے عہد میں جونپور علمی شہرت میں دہلی اور بغداد کا مقابلہ کرتا تھا۔ سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ (سنہ ۸۰۴ھ لغایۃ سنہ ۸۴۰ھ) میں ہندوستان کے مختلف حصوں اور ایران و توران اور عرب و عجم کے عالم فاضل جونپور میں جمع تھے بادشاہ نے اُن کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کر رکھے تھے اور ایک عظیم الشان دارالعلوم جونپور میں قائم کیا تھا۔ جس کی عالیشان عمارت کے کچھ نشانات سنا گیا ہے کہ اب تک موجود ہیں۔ مشہور ہے کہ اس سے پہلے کوئی اتنا بڑا دارالعلوم ہندوستان میں تعمیر نہیں ہوا تھا۔ اس دارالعلوم میں مولانا قاضی شہاب الدین جونپوری مدرس اول تھے۔ وہ اصل میں غزنین کے رہنے والے تھے اس کے بعد دولت آباد اور وہاں سے جونپور میں تشریف لائے۔ سلطان ابراہیم نے اُن کو اس دارالعلوم کا مدرس اول مقرر کیا۔ اور اُن کی اس قدر تعظیم و توقیر کرتا تھا کہ دربار میں اپنے سامنے چاندی کی کرسی پر بٹھاتا تھا۔ ایک دفعہ جب یہ بیمار ہوئے تو بادشاہ اُن کی عیادت کے واسطے گیا۔ اور مولانا کے پاس بیٹھکر ایک کٹورہ پانی کا اُن کے سر پر سے اُتار کر خود پی گیا۔ اور ہاتھ اٹھاکر بارگاہ ایزدی میں دعا مانگی کہ

۱۔ دربار اکبری۔

جس مصیبت میں مولانا گرفتار ہیں وہ مجھے نصیب کر اور الٰہی شفا عطا فرما۔ مولانا موصوف بڑے فاضل تھے اُن کی بہت سی تصانیف مثل حاشیہ کافیہ (حاشیہ ہندی) مصباح۔ صلح الشال۔ فتاوی ابراہیم شاہی۔ تفسیر فارسی بحر المواج۔ رسالہ مناقب سادات رسالہ عقیدہ شہابیہ وغیرہ سلطان ابراہیم کے نام پر ہیں۔ مولانا سلطان کی وفات سے ایسے مغموم ہوے کہ اُسی سال یعنی ۸۴۰ھ میں اُنہوں نے بھی انتقال فرمایا۔

اس دار العلوم سے بڑے بڑے عالم فاضل ہو کر نکلے۔ سلطان محمود شرقی نے بھی جو سلطان ابراہیم کا بیٹا تھا۔ علما۔ اور فضلا کی قدردانی میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہ رکھا۔

سلطان زین العابدین والئی کشمیر

فرمانروایان کشمیر میں سلطان زین العابدین کا زمانہ (۸۲۶ھ لغایۃ ۸۷۸ھ) علمی تاریخ میں ممتاز ہے۔ اُس کے عالیشان دربار میں بڑے بڑے ہندو مسلمان عالم فاضل جمع تھے۔ ہندو فضلا میں سری بھرت۔ بودی بت۔ سوم کشمیری اور مسلمان فضلا میں ملا محمد۔ ملا عود شاگرد ملا عبد القادر خراسانی۔ ملا جمیل حافظی بہت مشہور ہیں۔ سری بھرت علم حکمت میں بے نظیر تھا۔ بودی بت نے علم موسیقی میں زین کے نام سے ایک کتاب بادشاہ کے نام پر تالیف کی۔ سوم کشمیری نے جو زبان کشمیری اور ہندی کا بڑا فاضل تھا سلطان کے حالات میں زین حرب نام کتاب لکھی ہے ملا محمد ایک فاضل جامع معقول و منقول تھے۔ کمالات شاعری میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتے تھے بادشاہ ان کا نہایت اعزاز و اکرام کرتا تھا۔ کہ یہ بزرگوار ہمارے مرشد اور قبلہ ہیں۔ انہوں نے ہمیں ضلالت سے نکالکر ہدایت کا راستہ دکھایا ہے۔ ملا عود فن موسیقی میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ ملا جمیل کمالات شاعری سے موصوف تھا۔

یہ بادشاہ خود بھی عالم اور کئی زبانوں سے واقف تھا۔ اُس نے جس قدر قصبات

باد بہات آباد کیے۔ سب میں علما فضلا کو آباد کیا۔ خود کئی عربی اور فارسی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ کتاب راج ترنگی کا جو سنسکرت زبان میں کشمیر کے عہد قدیم کی تاریخ ہے اُسی کے حکم سے فارسی میں ترجمہ ہوا۔ جسے اکبر کے عہد میں ملا عبد القادر بدایونی نے سلیس عبارت میں کیا۔ کتاب بحر الاسمار بھی اول اُسی کے حکم سے فارسی زبان میں ترجمہ کی گئی۔

نصیر خاں فاروقی

سلاطین فاروقیہ برہان پور میں نصیر خاں فاروقی کے زمانہ میں بہت سے ارباب فضل و کمال خاندیس میں جمع تھے۔ اُس نے ہر ایک کے واسطے جاگیریں اور وظیفے مقرر کر دیے تھے۔ اسی بادشاہ نے حضرت مخدوم شیخ زین الدین رح کے ارشاد کے بموجب شہر برہان پور کے پاس قصبہ زین آباد آباد کیا تھا۔

سلاطین مغلیہ

اب ہم ہندوستان کے سب سے بڑے پر عظمت اسلامی خاندان یعنی سلاطین مغلیہ کے عہد کی علمی فیاضیوں اور علمی یادگاروں کا مختصر حال بیان کرتے ہیں کہ جن کی عالمگیر علمی فیاضیوں کی شہرت نے تمام پچھلے فرمانرواؤں کی علمی قدردانی اور علمی یادگاروں کو لوگوں کے دلوں سے بھلا دیا۔

ظہیر الدین محمد بابر

بابر نے ہندوستان اور سمرقند اور بخارا اور کابل میں ۳۷ سینتیس برس اس طرح سے سلطنت کی کہ کسی جگہ اُسے چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ یہ بات دلچسپی کے ساتھ دیکھنے کے قابل ہے کہ گیارہ برس کی عمر سے پینتالیس برس کی عمر تک کسی جگہ اُس کو دو متواتر عیدیں کرنا نصیب نہیں ہوئیں۔ باوجود اس کے اُس کو علم اور کمال سے کچھ ازلی مناسبت تھی۔ اور اس پریشانی کے عالم میں بھی اُس کو علم کی طرف خاص توجہ رہی ماوراء النہر اور خراسان کا ہر شہر اور قریہ شوکت

علمی کیفیت اور کیفیت کمال سے سرشار ہو رہا تھا - بابر جہاں گیا خواہ کسی حال میں تھا اہل کمال سے ضرور مستفید ہوا - ہندوستان میں اُس کی بادشاہی کا قلیل زمانہ امن قایم کرتے ہی گذر گیا - اگر اُس کو امن قایم کرنے کے بعد اجل مہلت دیتی تو وہ ضرور بخارا اور سمرقند کی علمی جھلک ہندوستان میں بھی دکھا دیتا - اُس نے واقعات بابری میں ہندوستان کے اس نقص کو بھی دکھایا ہے - کہ یہاں کوئی بڑا مدرسہ نہیں ہے -

بابر کی تصانیف میں واقعات بابری کے علاوہ فقہ حنفی میں بھی ایک کتاب مُبَیَّن نامی ہے جس کی شرح شیخ زین الدین نے لکھی ہے - فن عروض میں بھی بادشاہ کے کئی رسالے مشہور ہیں - اور ایک خط بھی بادشاہ کی ایجاد سے مشہور ہے جو خط بابری کے نام سے موسوم ہے - بادشاہ نے ایک قرآن شریف اس خط میں لکھکر مکہ معظمہ کو بھیجا تھا - بادشاہ کا ایک دیوان بھی ہے جس میں ترکی اور فارسی کے اشعار ہیں -

بابر کے عہد کے مشہور علماء ہند میں - شیخ زین خاں - اور مولانا بقائی اور مولانا شہاب الدین معمائی ہیں - شیخ زین خاں نے سب سے پہلے واقعات بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا - مولانا بقائی نے مخزن کی بحر میں ایک مثنوی لکھی ہے - علماء عہد بابری

مولانا شہاب الدین بڑے صاحب کمال فاضل تھے لیکن فن معما میں ان کی فضیلت ایسی مشہور ہوئی کہ اور سب کمالات چھپ گئے تھے - اسم شریف کا یہ معما مولانا کی تصنیف سے بہت مشہور ہے - معما ہ

از بہر فریب دلِ ماخستہ دلاں	ہر لحظہ زنار آں صنم غنچہ دہاں
بر صفحۂ گل کرد رقم آں سرِ زلف	وانگہ رخ مہ کرد زیک گوشہ عیاں

ہمایوں

بابر کے بعد ہمایوں تخت نشیں ہوا۔ لیکن بھائیوں کے نفاق اور شیر شاہ کے اقبال نے اُسے چند روز بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور جب اُس نے دوبارہ ہندوستان کو فتح کیا تو اجل نے مہلت نہ دی باوجود اس کے وہ اپنے زمانہ کے عالموں۔ فاضلوں۔ بزرگوں اور شاعروں کی قدردانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے باکمال جمع تھے جن میں شیخ حمید سنبھلی۔ مولانا جنونی بدخشی معمائی۔ شیخ زین الدین خاں صدر۔ مولانا نادری سمرقندی۔ شیخ ابوالواحد فارغی حیدر تونیائی۔ خواجہ ایوب بہت مشہور ہیں۔ ہمایوں خود بھی نجوم اور ہیئت اور تمام نفیس علموں میں بے نظیر تھا۔

اکبر اعظم

اکبر باوجود اس کے کہ پڑھا لکھا نہ تھا علم کا مذاق اور علوم و فنون کا شوق اور قدردانی کا جوش جو اس کا تھا کسی عالم بادشاہ کو بھی نہ تھا۔ راتوں کو ہمیشہ کتابیں پڑھواتا تھا۔ اور سنتا تھا۔ علمی تحقیقاتیں تھیں علمی باتیں تھیں۔ علمی چرچے تھے۔ مشہور کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جو اس کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو۔ گلستاں بوستاں۔ قابوس نامہ۔ ملفوظات شیخ شرف الدین منیری۔ حدیقہ حکیم سنائی۔ مثنوی مولانا روم۔ جام جم۔ خمسۂ نظامی۔ کلیات امیر خسرو۔ دیوانِ خاقانی و انوری وغیرہ ہر قسم کی کتابیں اور تاریخیں اس کے سامنے بلا ناغہ پڑھی جاتی تھیں۔

تصانیف عہد اکبری

ترجمہ کا شوق خاص تھا۔ مختلف زباں داں نوکر تھے۔ سنسکرت۔ یونانی عربی کی کتابیں۔ فارسی اور بھاشا میں ترجمہ کرتے تھے۔ جہاں یہ سب صاحب زبان

بیٹھتے تھے اُس مقام کا نام مکتب خانہ تھا۔ ذیل میں اُن کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے جو اُس کی فرمائش سے یا اُس کے عہد میں لکھی گئیں۔[۱]

ترجمہ سنگھاسن بتیسی (نامۂ خرد افزا)۔ حیوۃ الحیوان۔ ترجمہ اتھرن بید۔ کتاب الاحادیث تاریخ الفی۔ ترجمہ رامائن۔ جامع رشیدی۔ ترجمہ تزک بابری۔ تاریخ کشمیر۔ معجم البلدان نجات الرشید۔ رزمنامہ ترجمہ مہابھارت۔ طبقات اکبر شاہی۔ سواطع الالہام موارد الکلم۔ نلدمن۔ لیلاوتی۔ بحر الاسمار۔ مرکز دوار۔ اکبر نامہ۔ عیار دانش۔ کشکول ابو الفضل۔ تاجک۔ ہری بنس۔ جوتش۔ ثمرۃ الفلاسفہ۔ خیر البیان۔ خازن اسرار۔ آئین اکبری۔

اکبر کی علمی قدردانی نے نہ صرف ایران۔ توران۔ عرب۔ عجم۔ روم۔ شام ہی کے علما فضلا اور اہل کمال کو ہندوستان میں جمع کر لیا تھا بلکہ اہل فرنگ بھی اُس کی کمال پروری کے حالات سنکر کئی مرتبہ دربار میں آے۔ اور اس کے حسن اخلاق اور اوصاف طبع کو دیکھکر دنگ رہ گئے اور انعام و اکرام سے مالامال ہوکر اپنے ملک کو واپس گئے۔ نوساری علاقہ گجرات سے پارسی آن موجود ہوے جنھیں چار سو بیگھہ زمین جاگیر میں مرحمت ہوئی جو اب تک اُن کے قبضے میں چلی آتی ہے۔

اکبر کے عہد کے بڑے بڑے امرا مثل بیرم خاں خانخاناں۔ عبد الرحیم خاں خانخاناں۔ امیر الامرا خاں زماں علی قلی خاں سیستانی۔ علامی ابو الفضل وغیرہ کی بھی علمی فیاضیاں دیگر ملکوں کے مشہور علم دوست فرمانرواؤں کی علمی فیاضیوں

[۱] تفصیلی حالات کے واسطے دربار اکبری صفحہ ۵ الغایۃ ۱۱۰ دیکھو۔

سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ صاحب ماثر الامرا۔ خانخاناں مرزا عبدالرحیم خاں کے حال میں لکھتے ہیں "کہ اس کے دربار میں اہل کمال کا وہ مجمع تھا جو سلطان حسین مرزا اور میر علی شیر کے عہد میں گذرا ہے"

علمائے عہد اکبری

اکبر کے عہد کے اگر مشہور مشہور علما فضلا ہی کے مختصر حالات لکھے جائیں تو اُس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں جنہیں شوق ہو وہ اکبر نامہ۔ آئین اکبری۔ دربار اکبری منتخب التواریخ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس مقام پر صرف مشہور و معروف علما و فضلا کی فہرست آئین اکبری سے درج کی جاتی ہے۔

شیخ مبارک ناگوری۔ شیخ نظام نارنولی۔ شیخ ادہن (امن اللہ)۔ میاں وجیہہ الدین۔ شیخ رکن الدین۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی۔ شیخ جلال۔ شیخ الہدیہ۔ مولانا حسام الدین۔ شیخ عبدالغفور شیخ پنجو سنبھلی۔ مولانا اسمٰعیل۔ مادہو سرستی۔ مدہوون۔ نارائن اسرم۔ ہرجی سور۔ دامودر بہٹ رام تیرتھ۔ نرسنگ۔ پرم اندر۔ آدت۔ میر فتح اللہ شیرازی۔ میر مرتضیٰ۔ مولانا سعید ترکستانی حافظ تاشکندی۔ مولانا شاہ محمدؐ۔ مولانا علاؤ الدین۔ مولانا شیخ حسین۔ مولانا میر کلاں غازی خاں۔ مولانا صادق۔ مولانا شاہ محمد ثانی۔ میاں حاتم۔ میاں جمال خاں۔ مولانا عبدالقادر۔ شیخ احمد۔ مخدوم الملک۔ مولانا عبدالسلام۔ قاضی صدر الدین۔ مولانا سعد اللہ مولانا اسحٰق۔ میر عبداللطیف۔ قاضی میر نور اللہ شوستری۔ مولانا عبدالقادر بدایونی۔ قاضی عبدالسمیع۔ مولانا قاسم۔ قاضی حسن۔ ملا کمال۔ شیخ عبدالنبی۔ شیخ بھیک۔ شیخ ابوالفتح شیخ بہاؤ الدین مفتی۔ قاضی جلال الدین۔ شیخ ضیاء الدین۔ شیخ عبدالوہاب۔ شیخ عمر۔ مولانا جمال۔ میر سید محمد عدل۔ شیخ احمدی۔ شیخ عبدالغنی۔ شیخ عبدالواحد صدر جہاں۔ مولانا اسمٰعیل۔ ملا عبدالقادر اخوند۔ مولانا صدر جہاں ثانی۔ شیخ جوہر

شیخ منو۔ قاضی ابراہیم۔ مولانا جمال الدین لاہوری۔ مولانا اسمٰعیل ثانی۔ قاضی جمال الدین
بیجے سین سور۔ بھان چند نہال۔ مولانا پیر محمد۔ مولانا عبدالباقی۔ میرزا مفلس سمرقندی
مولانا زادہ شکر اللہ۔ مولانا محمد۔ قاسم بیگ۔ مولانا نورالدین ترخان۔ نارائن۔ مادھو بھٹ
سری بھٹ۔ بشن ناتھ۔ رام کشن۔ بلبھدر مصر۔ باسدیو مصر۔ باہمن بھٹ۔ بدیا نواس
گوپی ناتھ۔ گوپی ناتھ۔ پنڈت کشن۔ بھٹاچارج۔ بھاگیرت بھٹاچارج۔ کاشی ناتھ بھٹاچارج
ان کے علاوہ علامی ابوالفضل۔ فیضی۔ وغیرہ اکثر فضلا اُمرا کی فہرست میں داخل تھے
مختلف تاریخوں اور تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ اکبر کے عہد سے لیکر سلطنت مغلیہ
کے آخری عہد تک تمام ممالک محروسہ میں مدرسے جاری تھے۔ اکبر کے عہد میں مدرسوں
اور کالجوں میں تعلیم بلحاظ حالت یا مذہب طلبا کے بخوبی ہوتی تھی۔ اخلاق۔ حساب
زراعت۔ اقلیدس۔ نجوم۔ علم طبعی۔ علم تاریخ۔ وغیرہ کی سب کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوں
کو ویاکرن اور ویدانت پڑھایا جاتا تھا[ا]۔

اکبر آباد (آگرہ) میں ایک عالیشان مدرسہ اکبر نے تعمیر کرایا تھا۔ اُس کی کچھ عمارت
شروع انگریزی عہد تک موجود تھی۔ چنانچہ اس عہد کا ایک مورخ اُس کی
نسبت لکھتا ہے "درعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ جابجا مدرسہ ہا مقرر بودند واستادان
فارس وشیراز تعلیم مے فرمودند۔ چنانچہ تاحال مدرسہ عالی اساس کہ رونق افزاے
بوستانِ سخنوریست و دیباچہ صحیفۂ ہنر پروریست درین دارالخلافت عظمت اساس
دارد و بمشاہدہ مکانا تش تخم حیرت در دیدہ قریب میکارد" الخ[۲]

ا ہندوستان گذشتہ وحال صفحہ ۱۳۷۔

۲ تاریخ آگرہ مؤلفہ منشی سیل چند مدرس اول آگرہ کالج۔

شہنشاہ اکبر نے اس مدرسہ کے واسطے شیراز سے چلپی بیگ نام ایک فاضل طلب کیا تھا۔ جس کا فرمان ابوالفضل دفتر اول میں موجود ہے[1]۔

شاہجہاں کے عہد میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور حاجی محمد جان قدسی اور عالمگیر کے عہد میں ملا عبدالعزیز پسر ملا عبدالرشید اکبرآبادی اس مدرسہ کے مشہور مدرسوں میں تھے۔

اب اس مدرسہ کی کچھ عمارت باقی نہیں رہی۔ جس مقام پر مدرسہ تھا اُس جگہ آبادی ہو گئی۔ اور ایک بڑا محلہ آباد ہے جو اب تک محلہ مدرسہ کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ آثار قدیمہ میں صرف ایک عظیم الشان مسجد باقی رہ گئی ہے۔

اسیطرح لاہور دہلی۔ الہ آباد وغیرہ بڑے بڑے شہروںمیں مدرسے تعمیر ہوئے تھے۔ لیکن اُن کے تفصیلی حالات کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرے۔

مدرسہ فتحپور سیکری

۹۷۹ھ میں جب فتحپور سیکری دارالخلافت مقرر ہوا۔ اور وہاں قصر ہائے عالی تعمیر ہوئے تو ایک مدرسہ بھی تعمیر ہوا یہ مدرسہ محلات شاہی کے پاس اب تک موجود اور مدرسہ ابوالفضل کے نام سے موسوم ہے۔ اور بانی کی نیک نیتی یا اتفاق وقت سے اب تک اسی کار خیر کے واسطے مخصوص ہے۔ یعنی فتحپور سیکری کا مدرسہ تحصیلی اسکول اسی عمارت میں جاری ہے۔

جہانگیر

اکبر کے بعد جہانگیر تخت پر بیٹھا اور باپ کے وقت کے سب قاعدوں کو جاری رکھا۔ شب جمعہ کو علما اور صلحا کے ساتھ صحبت رکھتا تھا خود اپنی تزک میں لکھا ہے "در شبہائے جمعہ با علما و صلحا و درویشاں و گوشہ نشیناں صحبت میدارم" اس

[1] ابوالفضل دفتر اول صفحہ ۷ مطبوعہ لکھنؤ۔

نے علما اور فضلا اور دیگر ارباب استحقاق کو جاگیرین دینے میں اکبر سے بھی زیادہ فیاضی
دکھائی۔ صرف ۱۵ جلوس میں پچاسی ہزار بیگہہ زمین اور چار گاؤں جاگیروں میں دئے
اور دو ہزار تین سو تائیس روپئے۔ ایک اشرفی۔ ۶۰۴۰ درب۔ ۷۸۸۰ چرن
۱۲ ۱۵ تولہ سونا چاندی ۱۰۰۰۰ دام نقد انعام واکرام میں لٹائے۔ اسی اوسط سے
دوسرے سالوں کی بخشش کا اندازہ کرنا چاہئے۔ سنہ ۱۲ جلوس میں جب جہانگیر
گجرات تشریف لیگئے تو سید محمدؒ بنیرہ شاہ عالم سے جو فضلائے گجرات سے تھے
ملکر بہت خوش ہوئے۔ سنہ ۱۳ جلوس میں واپسی کے وقت سید محمدؒ کو کلام مجید
کی قسم دے کر دریافت کیا کہ جو کچھ دلی خواہش ہو بلا کسی خیال یا حجاب کے ظاہر کرو۔
سید موصوف نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ آپ نے کلام مجید کی قسم دی ہے لہذا کتب خانہ
شاہی سے ایک کلام مجید ہی مرحمت فرمایا جاوے تاکہ اُس کو ہمیشہ بطور یادگار
کے اپنے پاس رکھوں اور اُس کے پڑہنے کا ثواب حضرت کو پہنچے۔ جہانگیر نے
یاقوت کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہایت نفیس ایک قران شریف سید موصوف کو مرحمت
فرمایا اور اپنے ہاتھ سے تاریخ اور مقام اور عطیہ کا حال اُس پر لکھدیا۔ اسی سفر میں بادشاہ
نے دیگر علماے گجرات کو بھی بہت سی کتابیں مثل تفسیر کشاف اور تفسیر حسینی اور
روضۃ الاحباب کے مرحمت کرکے سب پر اپنے ہاتھ سے عطیہ کا حال لکھدیا۔
جہانگیر کے عہد کی علمی تاریخ میں یہ بات بھی قابل یادرکھنے کے ہے کہ اُس نے
سنہ ۱۳ جلوس میں سید محمدؒ کو جن کا ذکر اوپر ہوا یہ حکم دیا کہ قران شریف کا لفظی ترجمہ
فارسی زبان میں کرکے سید جلال الدین اپنے بیٹے کے ہاتھ دربار میں روانہ
کردیں۔ ترجمہ کی زبان نہایت سلیس اور عام فہم ہو اور اس ترجمہ تحت اللفظ میں ایک

علمائے عہد جہانگیر

حرف بھی اپنی طرف سے نہ بڑھایا جاوے۔

جہانگیر کے عہد کے علما میں مُلا روزبہانے تبریزی - ملا شکراللہ شیرازی - میر ابوالقاسم گیلانی - ملا باقر کشمیری - ملا محمد سیستانی - ملا مقصود علی - قاضی نوراللہ شوستری - ملا فاضل کابلی - ملا عبدالحکیم - ملا عبداللطیف سلطان پوری - ملا عبدالرحمٰن گجراتی ملا حسن مراغی - ملا محمود جونپوری - سید محمد گجراتی - قاضی نصیر برہان پوری - مولانا عبدالحق دہلوی - بہتان مصر - پنڈت لنکو - بھٹا چارج بنارسی مشہور ہیں۔

جہانگیر نے ۱۷ سنہ جلوس کے درمیان تک کے واقعات سلطنت اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں - اس کے بعد شروع ۱۹ سنہ جلوس تک کے واقعات معتمد خاں نے اور اس کے بعد کے حالات میر محمد ہادی نے لکھکر کتاب ترک جہانگیری کو پورا کیا ہے - فرہنگ جہانگیری - مثنوی نورنامہ وغیرہ اکثر کتابیں اور بھی اس بادشاہ کے نام پر لکھی گئی ہیں۔

شاہجہان

تمام مورخین ہند کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خاندان تیموریہ میں شاہجہاں سے بڑھکر کوئی بادشاہ سخی نہیں گذرا اُس نے اپنے عہد سلطنت میں جس اولوالعزمی سے علما اور فضلا کی قدردانی کی اُس کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوسکتا ہے کہ اُس نے اپنی وزارت کے واسطے طبقہ علما ہی سے دو ایسے شخصوں کو منتخب کیا کہ ہندوستان میں علامی کا خطاب ابوالفضل کے بعد صرف اُن ہی دو کے واسطے تسلیم کیا گیا ہے - چنانچہ اُس کا پہلا وزیر علامی افضل خاں (شکراللہ) ایران کا ایک فاضل تھا - اور دوسرا وزیر علامی سعداللہ خاں ہندوستان کے ایک گمنام مگر شریف خاندان کا بیٹا تھا - اور نہایت افلاس کی حالت میں علم و فضل حاصل

کر کے اسی کے وسیلے سے وزارت کے درجہ پر پہنچ گیا۔

ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں شاہجہاں کے پہلے سال جلوس کی جاگیروں کا جو علما فضلا اور دیگر ارباب استحقاق کو مرحمت کی گئی تھیں ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۰ مسلم گاؤں اور چار لاکھ بیگھہ زمین اس سال جاگیروں میں دی گئی اور اس کے علاوہ بہت سا زر نقد صدر الصدور کے ذریعے سے علما فضلا میں تقسیم کیا گیا۔ اسی سے شاہجہاں کی علمی قدردانی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شاہجہاں نے اپنے ایام سلطنت میں حسب ذیل اہل کمال کو جن میں عالم فاضل۔ شاعر۔ طبیب ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں سونے چاندی سے تلوا کر ہموزن سونا چاندی انہیں مرحمت کیا۔

باقیا نائینی شاعر (۵ روپیہ)۔ سعیدا گیلانی۔ بے بدل خاں شاعر (۵۰۰۰ روپیہ)۔ حاجی محمد جان قدسی شاعر و عالم (۵۵۰۰ روپیہ)۔ ابوطالب کلیم شاعر (۵۵۰۰ روپیہ)۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی فاضل (۱۲۰۰۰ روپیہ دو مرتبہ)۔ قاضی محمد اسلم (۶۵۰۰ روپیہ) پدر میر زاہد صاحب حواشی مشہورہ۔ شیخ عبدالحمید لاہوری مؤلف شاہجہان نامہ (۳۰۰۰ روپیہ)۔ جگنناتھ مہاکب اے (۴۵۰۰)۔ رنگ خاں (۴۵۰۰ روپیہ)۔ عارف جراح۔ ہاموں جراح (ہموزن روپیہ)۔

شاہجہاں کے عہد کے علما فضلا میں سید محمد رضوی۔ سید جلال بخاری ملا محب علی سندی۔ میر حسام الدین بدخشی۔ ملا شکر اللہ افضل خاں۔ ملا محمد فاضل۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی۔ شیخ عبدالحق دہلوی صاحب تصانیف کثیرہ۔ ملا یوسف لاہوری ملا عبدالسلام دیوی۔ قاضی محمد زاہد کابلی۔ قاضی محمد اسلم۔ قاضی محمد سعید کرھروی ملا میرک۔ ملا عبداللطیف سلطان پوری۔ ملا محمد ہاشم۔ شیخ محمد۔ علامی سعد اللہ خاں ملا علاء الملک تونی۔ میرک شیخ ھروی۔ سید احمد سعید۔ ہرناتھ مہاپاتر۔ بست

عہد شاہجہانی

مشہور ہیں۔ ان میں تین چار امارت کے درجہ پر پہنچ کر ملکی خدمات پر مامور ہوئے بقیہ ممالک محروسہ کے مدرسوں میں اور شاہزادوں کی تعلیم و ترتیب پر مامور تھے۔ انہیں جس قدر بیش قرار تنخواہیں ملتی تھیں اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف قاضی محمد سعید کرہرودی کی تنخواہ سالانہ چھتیس ہزار روپیہ تھی[۵۱]۔ ہرناتھ مہا پاتر کا دو ہزار روپیہ سالانہ کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور سنہ ۱۰۴۱ھ میں جب وہ دربار شاہی میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے خلعت و اسپ اور فیل کے علاوہ ایک لاکھ دام نقد انعام میں مرحمت کیے[۵۲]۔

عالمگیر

اورنگ زیب نے اپنے عہد حکومت میں ایک وسیع سلسلہ تعلیم کا جاری کیا۔ اس سے پہلے صرف بڑے بڑے شہروں میں شاہی مدرسے قایم تھے اورنگ زیب نے تمام ممالک محروسہ کے شہروں اور قصبوں میں مدرسے جاری کئے اور ان میں بڑے بڑے فاضل مدرسوں کو پڑھانے کے واسطے مقرر کیا۔ جنہیں خزانہ شاہی سے نقد تنخواہ ملتی تھی۔ بعض بعض مدرس روزیانہ پاتے تھے۔ کسی کسی کو جاگیریں بھی دی گئی تھیں۔ طالب علموں کے واسطے بھی وظیفے مقرر کئے گئے تھے[۵۳]۔

فتاوی عالمگیری

اورنگ زیب نے تمام ملک کے مشہور علما اور فضلا کو جمع کر کے دو لاکھ روپئے کے صرف سے فقہ حنفی میں ایک ضخیم کتاب مرتب کرا کر اس کو فتاوی عالمگیری کے نام سے موسوم کیا۔ اس کتاب کے مرتب کرنے والے علما میں شیخ نظام

---

۵۱ بادشاہنامہ ملا عبد الحمید لاہوری جلد اول صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ کلکتہ۔

۵۲ بادشاہنامہ جلد دوم صفحہ ۱۷۰۔ ۵۳ عالمگیر نامہ مطبوعہ مطبع الہی آگرہ صفحہ ۲۳۳۔

سب کے افسر مقرر کئے گئے تھے۔

اورنگ زیب کا خط نسخ اور نستعلیق بہت اچھا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے دو قرآن شریف لکھکر اور سات ہزار روپئے کے صرف سے اُن کی لوح اور جدول اور جلد بنوا کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ روانہ کئے تھے۔ اس بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن تفسیر ہندوستان میں بھی موجود ہے۔ جسے حال ہی میں ایک مسلمان رئیس نے وکٹوریہ میموریل ہال کلکتہ میں رکھے جانے کے واسطے جناب وائسرائے ہند کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ [illegible]

اورنگ زیب کے عہد کے علما فضلا میں ملا محمد زاہد۔ قاضی القضات ملا عبدالوہاب۔ میر سید محمد قنوجی۔ ملا عوض وجیہ۔ شیخ سیف الدین سرہندی۔ ملا عبدالعزیز پسر ملا عبدالرشید اکبرآبادی۔ ملا یعقوب۔ مفتی ابوالبرکات۔ سید محمد بیجاپوری۔ ملا عبداللہ سیالکوٹی۔ سید ابوسعید داماد ملا عبدالوہاب۔ قاضی شیخ الاسلام پسر ملا عبدالوہاب۔ شیخ محمد وارث۔ سید حسن رسول نما۔ شیخ عبداللطیف برہان پوری۔ میر نصیر الدین ہروی۔ سید سعداللہ نواسہ شیخ پیر محمد سلونی۔ میر مرتضیٰ ملتانی۔ ملا محمد طاہر (اعتماد خاں) وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ان میں سید محمد بیجاپوری کو چھ ہزار سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ علمائے عہد عالمگیری

اورنگ زیب کا بیٹا بہادر شاہ خاندان تیموریہ میں باعتبار علم و فضل کے سب سے بڑھا ہوا تھا۔ عالموں اور فاضلوں کی صحبت کا اُس کو بڑا شوق تھا۔ لیکن اُس کا مختصر زمانہ بھائیوں کی لڑائی اور راجپوتوں اور سکھوں کی بغاوت فرو کرنے میں گذر گیا۔ اور اس کے مرنے کے بعد امرا کا دور دورہ شروع ہوا۔ جس نے چاہا بادشاہ کو شاہ شطرنج کیطرح اٹھا لیا۔ روز روز نئے نئے بادشاہ بدلنے لگے۔ آخر کار سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ بہادر شاہ

خواتین مغلیہ کی علمی فیاضیاں

یہ بات بھی دلچسپی سے دیکھنے کے قابل ہے کہ خواتین مغلیہ میں بھی علمی قدردانی کا بے انتہا جوش تھا علی العموم سب صاحب علم ۔سخن شناس ۔سخن فہم ۔اہل سخن کی قدردانی میں شہرہ آفاق تھیں ۔ان میں سلیمہ سلطانہ بیگم گلبدن بیگم ۔نورجہاں بیگم ۔ارجمند بانو بیگم جہاں آرا بیگم ۔روشن آرا بیگم ۔زیب النساء بیگم ۔زینت النساء بیگم ۔اکبر آبادی بیگم خاص طور سے ممتاز ہیں۔

مدرسہ ماہم بیگم

ماہم بیگم ۔اکبر کی انّا (دودھ پلائی) اور ادہم خاں کوکہ کی ماں تھیں ۔انہوں نے دہلی میں پرانا قلعہ کے پاس ایک عظیم الشان مدرسہ اور اس کے پاس ایک مسجد تعمیر کرائی تھی اس مدرسہ کی کچھ عمارت اب تک موجود ہے اور اس پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

بدوران جلال الدین محمد	کہ باشد اکبر شاہان عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی	بناکرد ایں بنا بہر افاضل
ولے شد ساعئی ایں بقعۂ خیر	شہاب الدین احمد خاں باذل
ز ہے خیریت ایں بقعۂ خیر	کہ شد تاریخ او خیر المنازل

ماہم بیگم کی علمی قدردانی کا حال سن کر علامہ محمد بن امیر الہروی نے ۹۶۸ھ میں کتاب تذکرہ جواہر العجائب اس کے نام پر لکھکر ارسال کی تھی۔

سلیمہ سلطانہ بیگم

سلیمہ سلطانہ بیگم ہمایوں کی بہن گلرخ بیگم کی صاحبزادی تھیں ۔وہ نہایت خوش بیان شیریں کلام ۔حاضر جواب بیگم تھیں ۔کتاب کے مطالعہ کا بہت شوق تھا ۔اور اہل سخن کی قدردانی میں مشہور تھیں ۔جہانگیر نے ان کی لیاقت کی بہت تعریف کی ہے ۔ ان کی یہ بیت نقل کی ہے ؎

کاکلت را من ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام	مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

۱۰۲۱ھ میں ۷۰ برس کی عمر میں انتقال کیا - اور اپنے باغ واقع موضع دہاکر (آگرہ اور فتحپور کے درمیان میں ہے) میں دفن ہوئیں۔

گلبدن بیگم ہمایوں نامہ

گلبدن بیگم ہمایوں کی بہن تہیں ۹۸۲ھ میں یہ اور سلیمہ سلطانہ بیگم گجرات کے راستہ سے حج کو گئی تہیں - چار حج متواتر کئے - ۹۹۰ھ میں واپس آئیں - ہمایوں نامہ ان کی حسن قابلیت کی یادگار ہے - جس میں بابر اور ہمایوں کے عہد کے تاریخی واقعات مندرج ہیں اور جس کا انگریزی ترجمہ معہ اصل متن کے حال ہی میں مسز اے - ایس بیورج صاحبہ (A. S. BEVERIDGE.) نے لنڈن سے شایع کیا ہے۔

نورجہاں بیگم ارجمند بانو بیگم

نورجہاں بیگم اور ارجمند بانو بیگم (ممتاز محل) کی علمی فیاضیاں عام طور سے مشہور ہیں ان دونوں نے سوائے چند اشعار کے اور کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی۔

جہاں آرا بیگم

جہاں آرا بیگم - شاہجہاں اور ممتاز محل کی بڑی صاحبزادی اور نہایت قابل خاتون تہیں شاہجہاں کی سلطنت میں ان کو بے حد اختیار اور اقتدار حاصل تھا - ساٹھ لاکھ روپیہ سال کی ان کی جاگیر تہی - ان کی سرکار سے بہت سے علما رفضلا اور مشائخین کے وظیفے مقرر تہے - علمی یادگار سے کتاب مونس الارواح جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی الاجمیری کے ذکر خیر میں ہے مشہور ہے جس کا اردو میں بہی ترجمہ ہوگیا ہے - اس کے علاوہ تاریخ عاقل خاں میں ان کے اس خط کی بہی نقل موجود ہے جو اورنگ زیب کے نام جبکہ وہ شاہجہاں کی بیماری کی حالت میں دکن سے معہ فوج کے دارالخلافت کی طرف آرہا تھا - روانہ کیا گیا تھا۔

آگرہ کی جامع مسجد و مدرسہ

آگرہ کی جامع مسجد بہی جہاں آرا بیگم کے آثار خیر سے ہے - اس میں انہوں نے ایک مدرسہ بہی قایم کیا تھا جو اس وقت تک جاری ہے - اور مسجد کی دوکانوں کی آمدنی سے

جو اُس کے اور مسجد کے اخراجات کے واسطے وقف کی گئی تھیں اُس کا خرچ چلتا ہے۔

زیب النساء بیگم اور اُن کا کتب خانہ

شہنشاہ عالمگیر کی بیٹی زیب النساء بیگم خاندان مغلیہ کی خواتین میں سب سے زیادہ علم دوست تھیں۔ علما۔ فضلا اور شعرا کی قدردانی میں اپنی کل آمدنی صرف کر دیتی تھیں۔ اُن کی سرکار میں بڑے بڑے عالم فاضل اور خوشنویس کاتب ملازم تھے۔ شاہزادی موصوف نے ہندوستان کے مختلف مقامات اور ایران و توران سے نادر و نایاب کتابوں کی نقلیں صرف کثیر سے بہم پہونچا کر ایک ایسا بےنظیر کتب خانہ قایم کیا تھا جس کا شہرہ ایران و توران تک تھا۔ چونکہ کشمیر کا کاغذ بہت اچھا ہوتا تھا۔ لہذا وہاں کتابت کا دفتر بہ نگرانی مُلا محمد شفیع الدین قایم تھا اور وہاں سے کتابیں نقل ہو ہو کر دہلی میں آتی تھیں اور شاہزادی کے ملاحظہ کے بعد کتب خانہ میں رکھی جاتی تھیں۔

زیب التفاسیر

زیب النساء بیگم کے حکم سے مُلا محمد شفیع الدین اور مُلا عنایت احمد نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھکر اُس کو زیب التفاسیر کے نام سے موسوم کیا۔ اور اس خوبصورتی سے اُس کو آراستہ کرایا کہ شہنشاہ عالمگیر اُس کو دیکھکر پھڑک گیا۔ یہ بےنظیر قلمی نسخہ ابتک دولتِ ایران کے شاہی کتب خانہ میں موجود ہے[1]۔

زیب النساء بیگم کی بہت سی تصانیف بتلائی جاتی ہیں۔ مگر ہندوستان میں عام طور سے سوائے دیوان کے اور کوئی تصنیف دستیاب نہیں ہوتی۔

اکبر آبادی بیگم اور اُن کا مدرسہ

اکبر آبادی بیگم شاہجہاں کی ایک بیگم کا نام یا خطاب تھا۔ یہ بڑی نیک اور قابل بی بی تھیں۔ اُنھوں نے آگرہ اور دہلی میں ایک ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ دہلی کی مسجد ۱۰۶۰ھ میں بنکر تیار ہوئی۔ بادشاہ بھی ان کی خاطر سے اُس کے ملاحظہ کے واسطے تشریف لیگئے

[1] حیات زیب النساء بیگم مطبوعہ مطبع خادم التعلیم لاہور صفحہ ۱۴۔

بیگم نے جواہر اور مرصع آلات پیش کش کئے۔

یہ مسجد دو برس کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر ہوئی اس کے اخراجات واسطے جائداد وقف کی گئی۔ مسجد کے احاطہ میں ایک مدرسہ بھی تعمیر کیا گیا جس کے معلموں اور طالبِ علموں کا خرچ اسی وقف سے دیا جانا قرار پایا۔

ان مدارس کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ہندوستان میں اور بھی بہت سے مدرسے لوگوں نے قایم کئے تھے۔ ہمیں سرسری تلاش سے جتنے مدرسوں کا پتہ چلا ہے انہیں بطور فہرست ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اگر ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے شہروں میں جو کسی وقت دار الحکومت رہ چکے ہیں مقامی تحقیقات کی جاوے تو اب بھی اس قسم کی یادگاروں کے بہت سے نشانات مل سکتے ہیں مگر یہ کام کسی ایک شخص کے اختیار سے باہر ہے۔

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
مدرسہ کلاں	بدایوں	یہ بڑا عالیشان مدرسہ جامع مسجد بدایوں کے پیچھے واقع تھا۔ اس کے بانی کا نام کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا۔ مشہور ہے کہ اس مدرسہ سے صدہا عالم تعلیم پاکر نکلے۔ مولانا خواجہ زین الدین جن کی تعریف حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء سے فوائد الفواد میں مرقوم ہے اس میں مدرس تھے۔ یہ مدرسہ مدرسہ معزیہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
مدرسہ گوالیار	گوالیار	شہنشاہ بابر کے عہد میں اس کے ایک امیر رحیم داد نے جو گوالیار کا حاکم تھا اس مدرسہ کو جاری کیا تھا۔
مدرسہ اگرہ	آگرہ	مولانا شیخ زین الدین خاں وفائی نے جو بابر اور ہمایوں کے عہد میں ہندوستان کے صدر (عہدہ کا نام ہے) تھے ہمایوں کے عہد میں آگرہ میں جمنا پار ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ اور ایک مسجد سنہ میں تعمیر کرائی تھی۔ اب مدرسہ اور خانقاہ کا تو پتہ نہیں مگر مسجد شکستہ حالت میں اس وقت تک موجود ہے۔ اور موضع کچ پورہ چک ہفتم سواد شہر آگرہ میں واقع ہے۔ مولانا موصوف اور دیگر بزرگان عہد کے مزارات بھی قریب ہی واقع ہیں۔
مدرسہ خس ۹۶۹ھ	اگرہ	اکبر کے عہد میں مولانا علاؤالدین لاری ایک بزرگ تھے جنھوں نے شرح عقائد نسفی پر حاشیہ لکھا ہے انھوں نے اگرہ میں ۹۶۹ھ میں چھپر ڈالکر ایک مدرسہ جاری کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے مدرسہ خس اُس کی تاریخ کہی۔
فخر المرابع و ربیع المفاخر ۱۲۲۴ھ	فرخ آباد	سید ولی اللہ ولد سید احمد علی [illegible]ی کے رہنے والے

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
		تھے۔ یہ نو برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ فرخ آباد میں آئے۔ فرخ آباد و بریلی و قنوج میں علم کی تحصیل کی اور مولانا عبدالواسط قنوجی سے فضیلت کی سند حاصل کی ۱۱۸۹ھ میں حج کو تشریف لے گئے۔ اور ۱۱۹۶ھ میں واپس آکر فرخ آباد میں سکونت اختیار کی۔ اور جو کچھ صرف سے پس انداز ہوا اس کو جمع کرکے انہوں نے چند قطعہ مکانات خریدے اور سب کو ملاکر ۱۲۲۴ھ میں یہ مدرسہ تعمیر کرایا۔ اور خود مدت تک اس میں درس دیتے رہے۔ ۲۹۔ اگست ۱۸۰۵ء کو برٹش گورنمنٹ کے عہد میں ولی اللہ شہر فرخ آباد کے مفتی مقرر ہوئے۔ اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۸۲۸ء تک اس عہدے پر سرفراز رہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک کتب خانہ بھی تھا۔ جو اب تک مدرسہ کی عمارت میں موجود ہے۔ مفتی ولی اللہ نے ۵۔ جمادی الثانی ۱۲۴۹ھ کو انتقال کیا ۱۰۔ نومبر ۱۸۳۳ء کسی نے تاریخ وفات خوب کہی ہے گنج معنی برفت زیر زمیں ۞ دفن کردند گنج علم بخاک

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
مدرسہ نواب حافظ رحمت خاں	پیلی بھیت	نواب حافظ رحمت خاں والئی روہیلکھنڈ نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے علما و فضلا اور سادات اور مشایخین سے نہایت محبت والفت اور برادرانہ طریق سے پیش آتے تھے۔ اُن کی علمی قدردانی اور دینداری کی شہرت سنکر بڑے بڑے فضلا مثل مولانا عبد العلی لکھنوی کے روہیلکھنڈ میں آگئے تھے۔ انہوں نے سب کی بیش قرار تنخواہیں اور روزینے مقرر کر دے تھے۔ اور ان کے واسطے بہت سے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کرادی تہیں۔ جہاں وہ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ جب ۱۱۸۱ھ یا اس کے قریب انہوں نے تین ساڑھے تین لاکھ روپیہ کے صرف سے پیلی بھیت میں جامع مسجد تعمیر کرائی تو اسی کے قریب ایک عالیشان مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔ اس مدرسہ کے طالبعلموں اور مدرسوں کیواسطے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کیں۔ جب کوئی طالب علم اس مدرسہ کا درجہ فضیلت کو پہنچتا تو نواب موصوف اپنے ہاتھ سے دستار فضیلت اس کے سر پر باندھتے اور مثل

کیفیت	مقام	نام مدرسہ
دیگر علما کے اُس کا بھی وظیفہ مقرر کردیتے تھے۔ اس مدرسہ کے کُل طلبا کو کتابیں بھی سرکار سے ملتی تھیں۔ اب یہ مدرسہ موجود نہیں لیکن وہ مقام جہاں یہ مدرسہ واقع تھا اب تک مدرسہ کے نام سے مشہور چلا آتا ہی		
حافظ رحمت خاں نے مثل پیلی بھیت کے بریلی اور شاہجہانپور میں بھی دو مدرسے بنوائے تھے۔ اور جو انتظام پیلی بھیت کے مدرسے میں تھا وہی ان میں تھا۔	بریلی شاہجہانپور	مدرسہ حافظ رحمت خاں "
نواب محمد خاں بنگش والئی فرخ آباد نے تعمیر کرایا تھا۔ جس جگہ یہ مدرسہ تھا وہ اب تک مدرسہ کے نام سے مشہور اور محلہ چھاؤنی میں واقع ہے اُسی کے قریب شجاعت خاں نے جو نواب احمد خاں کا خانساماں تھا۔ ایک باغ نصب کرایا تھا۔	فرخ آباد	مدرسہ فرخ آباد
غلام محمد غوث خاں آخری نواب کرناٹک نے اس مدرسہ کو قایم کیا تھا۔ ۱۸۵۹ء سے برٹش گورنمنٹ کی نگرانی مین ہے۔ یہ جنوبی ہند میں مسلمانوں کا سب بڑا مدرسہ ہے۔	مدراس	مدرسہ اعظم

کیفیت	مقام	نام مدرسہ
یہ اسلامی مدرسہ اورنگ آباد ضلع گیا صوبہ بنگال میں واقع ہے۔ مبلغ چارسو روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد اس وقت تک وقف ہے۔ اس کے بانی کا نام نہیں معلوم ہوسکا۔	اورنگ آباد	مدرسہ اورنگ آباد
سہسرام صوبہ بنگال میں حضرت شاہ کبیر علیہ الرحمۃ کی خانقاہ کے متعلق یہ مدرسہ جاری ہے۔ اس کا سالانہ خرچ پانچہزار روپیہ ہے۔ اس کے متعلق ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی ہے۔ جو تخمیناً ایک لاکھ روپیہ مالیت کا بیان کیا جاتا ہے۔ اس مدرسہ اور خانقاہ کے اخراجات کے واسطے کثیر آمدنی کی جائداد فرخ سیر اور شاہ عالم بادشاہ کے وقت سے وقف ہے۔	سہسرام	مدرسہ سہسرام
فتحپوری بیگم شاہجہاں کی ایک بیگم کا خطاب تھا۔ جن کے آثار خیر سے دہلی اور آگرہ میں ایک ایک مسجد اس وقت تک موجود ہے۔ دہلی کی مسجد کے احاطہ میں انھوں نے ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا جو اب تک جاری ہے۔ اس میں ایک بورڈنگ ہاؤس بھی موجود ہے مسجد اور مدرسہ کی کل آمدنی اس وقت	دہلی	مدرسہ عربی فتحپوری

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
		آٹھ سو روپیہ ماہوار سے زیادہ ہے۔ جس میں سے سو روپیہ ماہوار مسجد کے اخراجات کے واسطے مخصوص ہیں اور دو سو روپیہ ماہوار مدرسہ پر خرچ کیا جاتا ہے بقیہ روپیہ بنک میں جمع کیا جاتا ہے۔ مدرسہ کے متعلق ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی موجود ہے۔

ہندوستان کی گذشتہ تعلیمی حالات دکھانے کے واسطے تاوقتیکہ اُن مشہور و معروف علما اور مشہور مدرسوں کے حالات جن کی تمام عمر درس و تدریس میں گذری اور جن کے حلقہ درس سے سیکڑوں ہزاروں طالب علم فارغ التحصیل ہو کر نکلے نہ بیان کئے جائیں تو یہ مضمون غیر مکمل رہے گا لہذا ہم بہت مختصر طور سے بطور فہرست کے چند مشہور علما کے حالات ذیل میں درج کرتے ہیں جنھیں بطور نمونہ کے سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ اگر ہندوستان کے کُل ایسے علما کے مختصر حالات بھی لکھے جائیں تو اس کے واسطے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔



ہندوستان کے مشہور مدرسوں کی فہرست

نام	مقام	کیفیت
خواجہ ضیاء الدین نخشبی	بدایوں	نخشب کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان میں وارد ہوکر بدایوں میں مقیم رہے نہایت درجہ کے عالم فاضل اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ علم طب اور موسیقی میں بھی آگاہی رکھتے تھے تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے ۷۵۱ھ میں انتقال کیا۔ بہت سی تصانیف مثل سلک السلوک۔ عشرہ مبشرہ۔ کلیات۔ جزئیات طوطی نامہ۔ شرح فاطلبنی تجدنی۔ چہل ناموس وغیرہ یادگار چھوڑیں۔
مولانا سید علاء الدین اصولی	"	سید شرف الدین اعلیٰ کے بیٹے تھے علوم ظاہری معقول ومنقول واصول وکلام وفقہ وحدیث کے عالم متبحر تھے۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کی اوستادی کا فخر آپ کو حاصل تھا۔ اور حضرت نے کتاب قدوری ان ہی سے پڑھی تھی۔
مولانا رضی الدین	بدایوں	چغانہ (ماوراء النہر) کے رہنے والے تھے۔ زمانہ قطب الدین ایبک یا شمس الدین التمش میں ہندوستان میں وارد ہوکر بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے اکابر علما اور اجلہ اولیا سے تھے علم حدیث کے بڑے فاضل

نام	مقام	مختصر حالات
		تھے۔ چنانچہ کتاب مشارق الانوار جس میں تیس ہزار حدیثیں آپ نے جمع کی ہیں۔ آپ کی یادگار سے ہے۔
علامہ زماں قاضی کمال الدین جعفری	بدایونی	بڑے عالم فاضل تھے۔ فقہ میں کتاب مغنی آپ کی تصنیف سے ہے بدایوں کے قاضی تھے اور تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ان کے بیٹے شیخ برہان الدین بھی علماء عصر سے تھے۔
شیخ عبداللہ عارف باللہ	"	سمانہ ملک پنجاب کے رہنے والے اور قوم ہنود سے تھے۔ بچپن میں ایک دن بوستاں کا سبق اُستاد سے پڑھتے تھے۔ جب اس بیت کو پڑھا۔ محال است سعدی کہ راہِ صفا + تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ اُستاد سے پوچھا کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ چونکہ یہ ایک مذہبی بات تھی اُستاد نے اول تو ٹالنا چاہا مگر جب انہوں نے یہ کہا کہ تاوقتیکہ آپ اس شعر کے معنی نہ بتادیں گے میں آگے سبق نہ پڑھوں گا تو اُستاد نے اس شعر کے معنی بتلا کر آنحضرتؐ کے مختصر حالات بھی بیان فرمائے۔ آپ نے یہ حالات

نام	مقام	مختصر حالات
		سنتے ہی کلمہ طیبہ پڑہا اور ایمان لائے اس کے بعد سفر دہلی اختیار کیا اور اکثر بزرگان روزگار سے علم ظاہری اور باطنی حاصل کیا اس کے بعد سالہا سال بدایوں میں درس اور استفادہ لوگوں کو فرماتے رہے اُن کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامی عالم ہوئے۔ لوگ دور و دراز سے علم حاصل کرنے کو اُن کے پاس آتے تھے۔ ملّا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ نے بھی علم کلام میں کتاب شرح صحائف اور اصول فقہ میں کتاب تحقیق آپ سے پڑہی تھی لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے صاحب استعداد طالب علم سبق میں شریک ہوتے تھے اور طرح طرح کے دقیق اشکال پیش کرتے تھے مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کو کتاب کے مطالعہ کی بھی ضرورت ہوئی ہو۔
میراں جلال بدایونی	بدایوں	سکندر لودی کے زمانہ میں بدایوں میں تدریس و افادہ عام میں مشغول تھے۔
شیخ برہان الدین محمود ابی الخیر اسعد البلخی	دہلی	سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے علما میں سے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں کمال کا درجہ حاصل تھا۔

نام	مقام	مختصر حالات
		تمام عمر درس وتدریس میں مشغول رہے۔
شیخ ابوالعون عین الدین گنج العلم جنیدی	بیجاپور	۷۰۶ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور وطن سے ہجرت کرکے گجرات وغیرہ کے علما سے علمی فائدہ حاصل کرتے ہوئے دولت آباد میں تشریف لائے اور وہاں سید خوندمیر علاء الدین حسینیؒ سے جو دہلی کے اکابر اولیا سے تھے بیعت کی ۷۳۶ھ میں بیجاپور میں تشریف لائے۔ آپ بہت بڑے عالم تھے علوم متداولہ میں آپ نے بہت سی تصنیفیں کیں جن کی تعداد ۱۳۲ بتلائی جاتی ہے۔ آپ نے تمام عمر پڑھانے میں صرف کی بڑے بڑے فضلا مثل سید محمد بندہ نواز گیسو درازؒ۔ شاہ زین الحق دولت آبادی۔ شیخ عبداللہ الغزنی ابوالقاسم۔ سلطان پیر ضیاء الدین غزنوی وغیرہ کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۷۹۵ھ میں آپ نے انتقال کیا۔ آپ کے علم کی اسوقت تک یہ شہرت ہے کہ بعض جہلا اپنے بچوں کے ذہن تیز ہونے کے واسطے آپ کے مزار کی مٹی کھلاتے ہیں۔ مزار پر جو قبہ ہے وہ خواجہ محمود گاوان وزیر محمد شاہ بہمنی کا بنایا ہوا ہے

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ صبغۃ اللہ دہولقی بھروچی۔ مدنی	بھروچ	آپ کا مزار مدینہ منورہ میں ہے ۹۵۲ھ میں بمقام بھروچ پیدا ہوئے۔ خیر الناس تاریخ ولادت ہے جب سن تمیز کو پہنچے تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا اور گجرات میں آکر شاہ وجیہ الدین کے حلقہ درس میں داخل ہوئے ۹ برس تک احمد آباد میں تحصیل علوم کر کے حسب الحکم اپنے اُستاد کے وطن واپس گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ تصوف میں کتاب الواحدہ۔ رسالہ ارائۃ الدقائق شرح مرآۃ الحقایق۔ مالا بُدَّ المرید ترک کل یوم من سنن القوم آپ کی تصنیف سے ہیں اور جواہر خمسہ مصنفہ حضرت محمد غوث گوالیاری رح کا عربی میں ترجمہ آپ نے کیا تھا۔ آپ کے مشہور شاگرد حسب ذیل ہیں۔ شیخ عبد العظیم محمد علی حنفی۔ شیخ علی کشایش شیخ عبد الصمد۔ شیخ ابراہیم۔ شیخ سنو۔ سید سعد بلخی۔ مولانا حبیب اللہ بیجاپوری شیخ عبد الحکیم۔ میاں یوسف۔ سید عبد اللہ۔ شاہ مرتضی گادری۔ سید محمد بخاری۔ سید میر۔ شیخ احمد شناوی۔
ملا حبیب اللہ بیجاپوری	بیجاپور	شیخ صبغۃ اللہ بھروچی کے شاگرد تھے۔ پیری مریدی کے

نام	مقام	مختصر حالات
		علاوہ تعلیم و تعلم سے بے حد شوق تھا۔ ہمیشہ طالب علموں کو پڑہایا کرتے تھے بہت سی کتابوں مثل شرح چغمنی شرح تجرید پر حاشیے لکھے ہیں۔ شیخ ندیم اللہ بن شمس الدین جو بڑے پرہیزگار عالم تھے۔ اور شیخ عبد الفتاح جنہوں نے ان کے ملفوظات لکھے ہیں آپ کے شاگردوں میں مشہور ہیں۔
ملا محی الدین قادری	بیجاپور	بیجاپور کے اہل دل اور نامور عالموں سے تھے یہ ملا احمد قادری کے بیٹے تھے۔
شاہ وجیہہ الدین گجراتی	احمد آباد گجرات	سنہ ۹۱۰ھ میں گجرات (احمد آباد) میں پیدا ہوے۔ سن تمیز کو پہنچکر مولوی عماد الدین طارمی کے حلقہ درس میں داخل ہوے ۲۴ برس کی عمر سے طالبعلموں کو پڑہانا شروع کیا اور ۶۴ برس سے زیادہ اسی شغل میں معروف رہے۔ درسی کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس پر انہوں نے حاشیہ نہ لکھا ہو۔ ہزارہا مخلوق کو ان سے علمی فیض حاصل ہوا جن میں سے ۸۰ آدمی بڑے بڑے فاضل ہوے ان میں ملا حسن محمد گجراتی۔ اور عبد الرحمان بہونرا بہت مشہور ہیں۔ آپ نے اپنے درس کا نام درس محمدی رکھا تھا۔ ۲۹ محرم سنہ ۹۹۸ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ معین	لاہور	ملا معین واعظ صاحب معراج النبوۃ کے پوتے تھے۔ بڑے فرشتہ خصلت بزرگ تھے اکبر کے زمانہ میں مدت تک لاہور کے قاضی رہے مگر مشہور ہے کہ اس زمانہ میں انہوں نے ایک مقدمہ بھی فیصل نہیں کیا۔ جب مدعی بہت ضد کرتا تو نہایت خوشامد اور عاجزی سے کہتے تھے کہ خدا کے لئے تم آپس میں صلح کرلو اور مجھکو اس کے مواخذہ سے بچاؤ۔ تم دونوں دانا ہو اور ایک مجھ نادان کو تم دو داناؤں سے پالا پڑا ہے خدا سے مجھے شرمندہ مت کرو۔ پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ تنخواہ کی جسقدر آمدنی ہوتی تھی سب کاتبوں کی اُجرت میں صرف ہوتی تھی۔ عمدہ عمدہ کتابیں لکھواتے تھے اور مقابلہ کرکے جلد بندھواکر طالبعلموں کو تقسیم کردیتے تھے۔ تمام عمر یہی شغل رہا۔ اور ہزاروں کتابیں للہ تقسیم کردیں ۹۹۵ھ میں وفات پائی۔
مولانا جمال تلہ	لاہور	شہنشاہ اکبر کے عہد میں لاہور کے شاہی مدرسے میں مدرس تھے۔ حاجی مہدی کے جو مشہور علماء سے تھے داماد اور ملا اسمٰعیل کے شاگرد تھے۔ جمیع علوم عقلی و نقلی

نام	مقام	مختصر حالات
		سے موصوف تھے۔ آٹھ برس کی عمر سے طالبعلمونکو پڑھانا شروع کیا تھا۔ تقریر اون کی نہایت عمدہ اور صاف ہوتی تھی معقول اور منقول کے مشکل مشکل دقیقہ آسانی سے شاگردوں کو سمجھا دیتے تھے۔ شیخ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام میں اُنہوں نے اصلاح دی تھی۔ آپ کے نام سے لاہور میں ایک محلہ مشہور تھا۔ ہندوستان میں آپ کے شاگردونمیں بڑے بڑے عالم فاضل گزرے ہیں۔ جن میں سے اکثر کا ذکر اس فہرست مین موجود ہے۔
شیخ سعد اللہ نحوی	بیانہ	آپ نے بیانہ میں ایک خانقاہ بنائی تھی وہیں مقیم رہتے اور طلبا اور اہل سلوک کو تعلیم دیا کرتے تھے علم نحو میں بےنظیر تھے ۹۸۹ھ میں انتقال ہوا اور اُسی خانقاہ میں دفن ہے۔
سید شاہ میر سامانہ	آگرہ	فضائل علمی سے آراستہ اور کمالات باطنی سے پیراستہ تھے۔ آگرہ میں جمنا پار شیخ بہاء الدین مفتی کے قریب رہتے تھے۔ قناعت اختیار کرکے تمام عمر طلبا کے پڑھانیمیں مصروف رہے۔ اُنکے شاگردونمیں مولانا فرید بہت مشہور ہوے۔

مختصر حالات	مقام	نام
مولانا حسن شیرازی کے بیٹے تھے۔ سکندر لودی کے زمانہ میں آگرہ تشریف لائے۔ اور یہیں سکونت اختیار کی۔ شیخ زین الدین نے ان کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے۔ ہست شیری من زعقل و نقل خواہم بشنود ٭ جامع المعقول والمنقول مولانا حسن صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ ان کے کمالات اور اخلاق حدبیان سے باہر ہیں گویا آدمی کی صورت میں فرشتہ تھے۔ کبھی دہلی اور کبھی آگرہ میں رہتے تھے۔ استعداد علمی میں بڑے کامل اور شاعری اور خوشنویسی اور انشا اور املا تو اُن کے موروثی علم تھے۔ تمام عمر درس و افادہ میں مصروف رہے۔	آگرہ	میاں کمال الدین حسین شیرازی
بہت بڑے عالم تھے علم حدیث میر سید رفیع الدین سے حاصل کیا تھا پچاس برس تک سید موصوف کے محلہ میں علوم عقلی و نقلی کا درس فرماتے رہے ان کے شاگردوں میں بہت لوگ فاضل ہوئے۔ صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ میں اور ملا کمال الدین حسین شرکت میں اُن سے سبق پڑھا کرتے تھے۔ آپکا	آگرہ	شیخ ابو الفتح تھانیسری

نام	مقام	مختصر حالات
		بیٹا شیخ عیسیٰ اکبر کے عہد میں آگرہ کا مفتی تھا۔
مولانا عثمان بنگالی	سنبھل	علم فضل میں بے نظیر اور سنبھل میں طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔ میاں حاتم سنبھلی نے بھی ان سے پڑھا تھا۔
شیخ حسین بزہری	دہلی	جتنے علوم نقلی ہندوستان میں مروج ہیں سب میں کامل تھے۔ اکبر کے عہد میں دہلی کے شاہی مدرسے میں طالب علموں کو پڑھایا کرتے تھے۔
قاضی مبارک گوپاموی	گوپامئو	حضرت شیخ نظام الدین امیٹھوی کے شاگرد رشید اور سب علوم میں کامل تھے ان کی علمی شہرت کا حال سن کر دور و دراز سے طالب علم گوپامئو آتے تھے اور اون سے کمال حاصل کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں بہت سے عالم فاضل ہوے انہیں میں سید محی الدین اور مخدوم شیخ بدہ بھی تھے۔
قاضی نور اللہ شوستری	اگرہ	مذہب شیعہ کے پابند تھے۔ نیک نفسی۔ انصاف پسندی حیا۔ تقویٰ اور جتنی صفتیں شریفوں میں چاہئیں سب ان میں موجود تھیں۔ علم اور حلم اور تیزی طبیعت اور صفائی ذہن میں مشہور تھے بہت سی کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں شیخ فیضی کی

نام	مقام	مختصر حالات
		تفسیر پر انہوں نے ایک تقریظ نہایت عمدہ لکھی تھی۔ اکبر اور جہانگیر کے وقت میں مدتوں لاہور کے قاضی مقرر رہے ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامور فاضل ہوئے۔ مزار آگرہ میں واقع ہے۔
حاجی ابراہیم محدث اکبرآبادی۔	آگرہ	آگرہ میں رہتے تھے۔ بڑے عابد و زاہد عالم تھے۔ رات دن علوم دینی و دنیوی خصوصاً علم حدیث کے پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔
مولانا محمد مفتی	لاہور	لاہور کے مشہور مدرسوں میں سے تھے۔ کمالات ظاہری اور باطنی سے موصوف اور مفتی کے عہدے پر سرفراز تھے۔
مولانا الہ داد لنگرخانی	"	لنگرخانی لاہور کے ایک محلہ کا نام تھا۔ جہاں آپ مقیم تھے آپ کو اکثر علوم متداولہ میں مہارت تھی اور نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ تمام عمر درس میں مشغول رہے۔ انہوں نے کبھی بادشاہوں سے کوئی حاجت نہیں چاہی نہ کبھی جاگیر مدد معاش قبول کی۔
ملا علاؤالدین لاہوری	لاہور	شیخ منصور لاہوری جو اکبر کے عہد میں صوبہ مالوہ کے قاضی القضات تھے بیٹے تھے جمیع علوم عقلی میں

نام	مقام	مختصر حالات
		پڑھی مہارت تھی۔ تمام عمر درس وافادہ میں مشغول رہے جو کچھ جاگیر سے آمدنی ہوتی تھی سب طالبعلموں کے صرف مین اوٹھادیتے تھے۔ شرح عقاید پر ایک حاشیہ لکھا تھا۔ اکبر نے ہر چند ان کو ملازمت کی تکلیف دینا چاہی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔
مولانا میر کلاں	آگرہ	کمالات ظاہری اور باطنی خصوصاً علم حدیث میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ زہد و تقویٰ انکی سرشت مین داخل تھا تمام عمر علوم دینی کا فیض اون سے جاری رہا۔ آپ نے تمام عمر محض اس وجہ سے شادی نہ کی کہ شاید بی بی والدہ کی اطاعت نہ کرے ۹۸۱ھ میں انتقال کیا۔ اور آگرہ میں دفن اوسوقت ان کی والدہ زندہ تھیں اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول تھیں۔ جب ان باکمال سیدہ نے بیٹے کے مرنے کی خبر سنی اور لوگوں نے ان سے تجہیز و تکفین کی اجازت مانگی تو اونھوں نے صرف انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھکر اجازت دی اور پھر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ اور کچھ جزع فزع ان سے ظاہر نہ ہوا

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ بہلول دہلوی	دہلی	علم حدیث میں بڑے کامل تھے اہل دنیا سے بالکل قطع تعلق کردیا تھا اور طالبعلموں کے پڑہانے میں مشغول رہتے تھے۔ اکبر کے عہد کے فضلا سے تھے۔
شیخ عبدالحق دہلوی	"	جمیع علوم عقلی اور نقلی کے جامع تھے۔ کمالات شاعری سے بہی موصوف اور حق تخلص کرتے تھے تصانیف سے ایک ترجمہ تاریخ مدینہ اور دوسری ہندوستان کے اولیا کے حالات مین ایک کتاب بہت مشہور ہے جس کی ذکر الاولیا تاریخ ہے۔ ابتدا میں شیخ فیضی اور مرزا نظام الدین احمد کی مصاحبت میں تھے۔ اس کے بعد حج کو تشریف لے گئے اور شیخ عبدالوہاب ہندی سے علم حدیث کی تکمیل کرکے ہندوستان میں واپس آئے اور درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ ہرچند شیخ فیضی نے بلایا مگر وہ نہ آئے اور لکہ بہیجا کہ میں نے دینوی تعلقات بالکل ترک کردئے ہیں۔
میاں الہداد لکہنوی	لکہنو	بڑے مستعد اور ذہین عالم تھے فقہ اور عربیت مین اپنا نظیر نہ رکہتے تھے۔ یہ شیخ اعظم لکہنوتی کی اولاد میں

نام	مقام	مختصر حالات
		تھے جن کا امام اعظم ثانی خضاب تھا۔ صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ میں نے اُن کی تصانیف سے دو چیزیں بہت عمدہ دیکھیں۔ اول ایک رسالہ تھا جس کے صفحہ کے طول میں چودہ سطریں اور عرض میں بھی اسی قدر جدول میں لکھی تھیں اور اون میں سے چودہ علمونکے احکام اور مسائل نکلتے تھے۔ دوسرا ایک رسالہ پنج مقالہ تھا جسکی عبارت مقامات حریری کے طور پر لکھی تھی اور اوسکا قبطون نام رکھا تھا۔
میاں جمال خان	دہلی	قوم کنبوہ سے تھے اپنے والد بزرگوار شیخ نصیر الدین اور اپنے بھائی میاں لاڈن کے شاگرد تھے بڑے نامور علماء سے تھے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصاً فقہ۔ کلام اور عربیت اور تفسیر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے مفتاح کی دونوں شرحوں کا انہوں نے محاکمہ کیا ہے۔ عضدی کو جو بڑی انتہا کی کتاب ہے چالیس مرتبہ شاگردوں کو اول سے آخر تک پڑھایا۔ ہمیشہ علوم دینی کے درس میں مشغول رہتے تھے انکے اکثر شاگرد فاضل ہوئے۔ ۹۸۴ھ میں ۹۰ برس کی عمر انتقال کیا۔

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ الدیہ خیرآبادی	خیرآباد	شیخ صفی خلیفہ شیخ سعید کے مرید اور بڑے عالم متبحر تھے ابتداء حال میں برسوں درس و افادہ میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامی گرامی فاضل ہوئے۔ آخر میں بالکل طریقہ صوفیہ کے پابند ہوگئے سنہ ۹۹۳ھ میں انتقال کیا۔
شیخ عزیز اللہ	دہلی	اپنے پدر بزرگوار شیخ حسن کے مرید تھے عجز وانکسار مزاج میں بہت تھا۔ اگر کوئی محتاج آدمی کسی کافر سے بھی ان کی سفارش چاہتا تو خواہ وہ کتنی ہی مسافت بعید پر ہو پاپیادہ بے تکلف چلے جاتے اور اس کی حاجت روائی کرتے تھے۔ کمالات باطنی کے علاوہ علوم ظاہری میں بھی کامل تھے۔ تفسیر عرائس اور عوارف اور فصوص الحکم اور اس کی شرحیں ہمیشہ شاگردوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ ان کی تصنیف سے رسالہ عینیہ ہے جو انہوں نے شیخ مان پانی پتی کے رسالہ غیریہ کے مقابلہ میں لکھا تھا۔ اس میں مسئلہ وحدت وجود کے بہت باریک نکتے بیان کئے ہیں سنہ ۹۷۵ھ میں ان کا انتقال ہوا قطب طریقت نماند وفات کی

نام	مقام	مختصر حالات
		تاریخ ہے۔
شیخ جلال تھانیسری	تھانیسری	شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی کے جامع تھے بہت دنوں تک علوم دینیہ کا اضافہ کرتے رہے آخر علوم رسمیہ کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کی ۹۸۹ھ میں انتقال کیا۔
سید مولانا رفیع الدین صفوی	آگرہ	آپ بڑے عالی خاندان سے تھے اور علما اور محدثین عالی رتبہ میں شمار ہوتے تھے۔
محدث اکبر آبادی	"	سکندر لودی کے زمانہ میں آگرہ میں آکر آباد ہوئے۔ بادشاہ نے حضرت مقدسہ خطاب دیا تھا۔ تمام اہل اسلام کے دلوں پر ان کا نیک اثر تھا۔ اور بادشاہ وقت بھی ہمیشہ ان سے فتویٰ طلب کرتے تھے۔ تمام عمر درس و تدریس سے لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے باوجود شاہان وقت کے اصرار کے دربار کی نوکری کبھی نہیں کی ۹۵۴ھ میں آگرہ میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔
ملا محمد فاضل	لاہور	بدخشاں کے رہنے والے تھے۔ سن تمیز پر پہنچکر اول کابل میں آئے اور ملا محمد صادق حلوائی کے شاگردوں

مختصر حالات	مقام	نام
میں داخل ہوئے۔ پھر توران گئے اور ملا عزا جان شیرازی اور ملا محمد یوسف سے فیض حاصل کیا۔ وہاں سے لاہور میں وارد ہوئے اور مولانا جمال تلو سے تفسیر اور اصول کی تعلیم حاصل کی اور علوم عقلیہ اور نقلیہ میں کمال پیدا کیا جہانگیر کے زمانہ میں منصب عدالت پر سرفراز تھے سنہ جلوس شاہجہانی میں لاہور کے مدرس مقرر ہوئے اور تمام عمر اسی خدمت پر مامور رہے۔ ہندوستان کے مشہور علما فضلا میں آپ کا شمار ہوتا ہے یہ اور علامی سعد اللہ خاں دونوں ایک ساتھ ملا کمال کشمیری سیالکوٹی سے پڑھتے تھے۔ یہ سعد اللہ خاں سے سبق میں پیش قدم تھے۔ مگر سعد اللہ خاں قسمت کے پیش قدم نکلے اور علامی کے خطاب سے موصوف ہو کر بڑھتے بڑھتے شاہجہاں کے وزیر ہو گئے۔ انہیں جہانگیر کے عہد میں مدد معاش کے نام سے کچھ جاگیر مل گئی تھی۔ شاہجہاں کے عہد میں کئی گاؤں جاگیر میں ملے۔ اور ہمیشہ انعام و اکرام سے سرفراز ہوتے رہے اور تمام عمر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ اکبر آباد کے	سیالکوٹ اگرہ وغیرہ	ملا عبد الحکیم سیالکوٹی

نام	مقام	مختصر حالات
		شاہی مدرسہ میں مدتوں مدرس اول رہے۔ اُن کی اکثر تصانیف مشہور رہے۔
ملا یوسف لاہوری	لاہور	مولانا جمال لاہوری کے شاگرد اور منقولات میں اعلےٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ ۵۰ برس تک درس میں مشغول رہے اور ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے صاحب کمال ہوئے۔ ۸۰ برس کی عمر میں شاہجہاں کے عہد میں انتقال کیا۔
ملا عبدالسلام لاہوری	"	لاہور کے مفتی تھے۔ ادب۔ فقہ۔ اصول۔ اور جملہ علوم عقلی و نقلی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ۶۰ برس تک درس دیتے رہے۔ اُن کے شاگردوں میں بہت سے فاضل ہوئے۔ ۹۰ برس کی عمر میں (۱ جلوس ۱۰۳۷ھ) شاہجہان میں انتقال کیا۔
ملا عبدالسلام دیوی	"	ملا عبدالسلام لاہوری کے شاگرد اور جامع علوم معقول و منقول تھے۔ مدت دراز تک لاہور میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔
ملا میرک شیخ ہروی	اگرہ	ہرات سے ہندوستان میں آئے اور لاہور میں ملا عبدالسلام لاہوری کے حلقہ درس مین داخل ہو کر

نام	مقام	مختصر حالات
		علم وفضل حاصل کیا۔ شاہجہاں کے وقت میں ملازمت شاہی میں منسلک ہوکر اول شاہزادہ دارا شکوہ اور اس کے بعد شاہزادہ مراد کی تعلیم وتربیت پر مامور ہوے۔
ملا عبداللطیف سلطان پوری	آگرہ	مولانا جمال لاہوری کے شاگرد رشید اور جمیع علوم عقلی و نقلی میں اپنے عہد میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔ اول ملازمت شاہی میں داخل اور شاہزادہ دارا شکوہ کی تعلیم وتربیت پر مامور تھے۔ اس کے بعد بوجہ ضعیفی بادشاہ نے جاگیر مقرر کرکے وطن میں رہنے کی اجازت دی اور وہاں تمام عمر علوم دینیہ کا درس دیتے رہے۔
خطیب ابوالفضل گازرونی	گجرات	شیخ مبارک کے استاد تھے۔ انہیں شاہان گجرات کی علمی قدردانی نے شیراز سے کھینچا تھا گجرات میں ان ہی کی برکت سے علم وحکمت کا خزانہ کھولا اور دانش ودانائی کو نئی روشنی دی یہ مولانا جمال الدین دوانی کے شاگرد تھے۔ شیخ مبارک نے ان ہی کے نام پر اپنے بیٹے کا نام ابوالفضل رکھا تھا۔

مختصر حالات	مقام	نام
۶ محرم سنہ ۹۵۰ھ کو آگرہ میں وارد ہو کر میر رفیع الدین صفوی کے ہمسائے میں اترے اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ شیر شاہ اور سلیم شاہ نے جاگیر اور وظیفہ مقرر کرنا چاہا مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ ملا عبداللطیف سلطانپوری اور شیخ عبدالنبی سے جو فضیلت اور پارسائی کے دعووں سے سلطنت میں دخیل تھے اور ان سے سخت عداوت رکھتے تھے انہیں اکثر تکلیف پہنچی مگر انہوں نے توکل کو نہ چھوڑا اور برابر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ہمایوں کے عہد میں ان کے مدرسہ کو بہت رونق ہوئی۔ اور ایران و ترکستان کے دانا و دانش پسند لوگ ان کے مدرسے میں آنے لگے۔ اور ان سے علوم کا زیادہ چرچا پھیلا۔ ہیموں کی بغاوت کے زمانہ میں پھر مدرسہ بند ہو گیا۔ جب اکبری دور شروع ہوا۔ عالم میں امن و اماں ہوا۔ شیخ کا مدرسہ پھر گرم ہوا اور علوم عقلی و نقلی کے درس و تدریس ایسی چمکی کہ شیخ کے نام پر علم و کمال کے طلبگار ملک ملک سے آتے	آگرہ	شیخ مبارک

نام	مقام	مختصر حالات
		لگے۔ تھوڑے دنوں بعد ان کے باکمال بیٹے فیضی اور ابوالفضل دربار اکبری میں جا پہنچے۔ اور ان کے ساتھ ان کا بھی بہت اعزاز و اکرام ہونے لگا۔ ۱۰۰۲ھ میں انتقال کیا۔

اُس زمانہ میں مسلمانوں کو تحصیل علوم و فنون کا اس قدر شوق تھا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے واسطے سیکڑوں ہزاروں کوس کی مسافت کو طے کرنا ایسا آسان سمجھتے تھے جیسا آج ہم ایک محلہ میں سے دوسرے محلہ میں جانا آسان سمجھتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا فاضل ہوگا جس نے سیکڑوں کوس کی مسافت طے کرکے متعدد اہل فضل و کمال سے فیض حاصل نہ کیا ہو اور اپنے فن میں نامور ہوا ہو۔ اس کے مقابلہ میں آج یہ حالت ہے کہ باوجود طرح طرح کی آسانیوں کے تعلیمی حالت میں مسلمان ہی سب قوموں سے گرے ہوئے ہیں اور جو تھوڑا بہت پڑھتے بھی ہیں تو علم کو علم کی غرض سے نہیں بلکہ محض گورنمنٹ کی ملازمت حاصل کرنے کے واسطے پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصلی علمی ترقی مفقود ہے۔

دنیا میں جب تک چھاپہ خانہ کا رواج نہ تھا کتابوں کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ ایک

ایک کتاب سیکڑوں ہزاروں روپئے کے صرف سے تیار ہوتی تھی۔ آج چھاپہ کی برکت سے وہ نادر و نایاب کتابیں جو ایک زمانہ میں عام طور سے دیکھنے کو بھی نصیب نہ ہوتی تھیں گھر گھر اور دوکانوں پر موجود اور ماری ماری پھرتی ہیں۔ مگر بقول پروفیسر آزاد" ہمیں بے پروائی آنکھ اٹھاکر نہیں دیکھنے دیتی۔ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ پہلے بزرگوں کی طرح اب لوگ صاحب کمال نہیں ہوتے لیکن پہلے جو لوگ کتابیں دیکھتے تھے تو اوس کے مضمون کو اس طرح دل و دماغ میں سیلتے تھے جس سے اُس کے اثر دلوں میں نقش ہوتے تھے۔ آجکل کے لوگ پڑھتے بھی ہین تو اس طرح صفحوں سے عبور کر جاتے ہیں۔ گویا بکریاں ہیں کہ باغ میں گھس گئی ہیں جہاں منھ پڑگیا ایک بکٹا بھی بھر لیا۔ باقی کچھ خبر نہیں۔ ہوس کا چرواہا ان کی گردن پر سوار ہے۔ وہ دبایے لئے جاتا ہے۔ یعنی امتحان پاس کرکے ایک سند لو اور کوئی نوکری لیکر بیٹھہ رہو"

ہندوستان میں مسلماں فرمانرواؤں اور امیروں نے ہزاروں لاکھوں روپیئے کے صرف سے نادر و نایاب کتابوں کو لکھوایا۔ بڑے بڑے کتب خانے قایم کئے۔ قدیم کتابوں کو بڑی تلاش و جستجو سے بہم پہنچاکر اُن کے فارسی میں ترجمے کرائے اور اُن سے اپنے کتب خانوں کو زینت دی۔ ہندوستان کا کوئی شاہی خاندان ایسا نہ تھا جس کا عظیم الشان کتب خانہ موجود نہ ہو علما۔ فضلا۔ امرا۔ وزرا۔ نے اپنے اپنے علیحدہ کتب خانہ قایم کر رکھے تھے جو اکثر طالب علموں کے واسطے وقف تھے۔

قاعدہ کی بات ہے کہ علمی قدردانی اور کتابوں کی حفاظت امن و آماں کے زمانہ میں ہوا کرتی ہے۔ ہندوستان کے روزمرہ کے ملکی تغیرات اور طوائف الملوکی نے یہاں کے تمام کتب خانوں کو تباہ و برباد کردیا۔ سب سے اخیر مین سلاطین مغلیہ نے

جو بے نظیر کتب خانہ قایم کیا۔ وہ ۱۸۵۷ء کے خوفناک غدر میں ضایع ہوگیا۔ اور ملک کی سیکڑوں ہزاروں نادر ونایاب کتابیں کس مپرسی کی حالت میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے نیست ونابود ہوگئیں۔ کچھ قدردانان اہل یورپ کے ہاتھ لگیں جو اُن کے کتب خانوں کی زیب وزینت کا باعث ہوئیں۔ اور جو کچھ باقی رہ گئیں ہیں وہ روزمرہ معدوم ہوتی جاتی ہیں۔

کسی مؤرخ نے ہندوستان کے کتب خانوں کا حال نہیں لکھا۔ اس وجہ سے ہم اُن کے مفصل حالات تو تحریر کرنے سے معذور ہیں لیکن جو کچھ پتہ چلا ہے وہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

فیروز شاہ تغلق کا کتب خانہ

فیروز شاہ تغلق کو کتابوں کے جمع کرنے کا بے انتہا شوق تھا۔ اُس نے ایک بہت بڑا کتب خانہ قایم کیا تھا۔ ۷۶۲ھ میں جب اُس نے نگرکوٹ کو ایک سخت محاصرہ کے بعد فتح کیا اور وہاں کا راجہ دربار شاہی میں حاضر ہوا تو بعض لوگوں کی زبانی بادشاہ کو معلوم ہوا کہ یہاں کے مندر جوالامکھی میں برہمنوں کا ایک عمدہ کتب خانہ موجود ہے۔ اس پر بادشاہ نے وہاں کے برہمنوں کو بلاکر وہ سب کتابیں منگوائیں۔ کل ایکہزار تین سو کتابیں برآمد ہوئیں۔ بادشاہ نے ان کو اپنے کتب خانہ میں داخل کیا۔ اور ان میں سے بہت سی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کرایا۔ ان میں سب سے مشہور کتاب دلائل فیروز شاہی علوم نجوم کے بیان میں ہے جسے اُس عہد کے مشہور شاعر اعزالدین خالد خانی نے نظم میں ترجمہ کرکے اس نام سے موسوم کیا تھا۔ صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو لاہور میں ۱۰۰۲ھ میں اول سے آخر تک دیکھا تھا اور اُس سے قبل اور بھی کتابیں جو سلطان فیروز شاہ کے حکم سے ترجمہ ہوئیں دیکھی تھیں

ان میں کچھ علم موسیقی اور کچھ کشتی کے داؤ پیچ کے بیان میں تھیں۔ اور بعضی کتابوں میں کچھ اور بیان تھا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں مولانا داؤد نے اُس کے وزیر خانجہاں کے نام پر مثنوی چندائن ہندی زبان میں لورک اور چاندا کے عشق کے بیان میں لکھی تھی یہ مثنوی نہایت ذوق و شوق کی کتاب تھی۔ مخدوم شیخ تقی الدین واعظ اُس کے اکثر شعر دہلی کی مسجد میں منبر پر بیٹھکر پڑہا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو اِن کے سننے سے بہت وجد و حال طاری ہوا کرتا تھا۔ ایک دن کسی فاضل نے شیخ ممدوح سے دریافت کیا کہ اِس ہندی مثنوی کے منبر پر پڑہنے کی کیا ضرورت ہے انہوں نے جواب دیا کہ اُس کے سب مضمون موافق اقوال اہل تصوف اور مطابق آیاتِ قرانی کے ہیں۔

غازی خان کا کتب خانہ

سلطان ابراہیم لودی کے عہد میں اُس کے امیر کبیر دولت خاں لودی حاکم پنجاب کے بیٹے غازی خاں نے جو علم و فضل سے موصوف تھا ایک بہت اچھا کتب خانہ جمع کیا تھا۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ جب بابر لاہور کو فتح کر کے قلعہ میں داخل ہوا تو کسی چیز سے اُس کو اس قدر خوشی حاصل نہ ہوئی جس قدر کہ اس کتب خانہ کے ملنے سے خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس کتب خانہ میں ہر قسم کی نفیس کتابیں صحیح اور خوشخط موجود تھیں۔ بابر نے اس میں سے کچھ کتابیں اپنے واسطے رکھیں اور کچھ شاہزادہ ہمایوں کو دے کر باقی شاہزادہ کامران کے واسطے کابل بہیجدیں۔ بابر نے اس کتب خانہ کی نسبت یہ لکہا ہے کہ اس کتب خانہ کی شہرت تو بہت تہی مگر عمدہ کتابیں کم نکلیں۔ مُلّا یانہ کتابیں بہت جمع کر رکھی تھیں۔

اعتماد خان گجراتی کا کتب خانہ

اعتماد خاں سلطان محمود گجراتی کا ایک ہندی غلام تھا۔ جو اُس کے عہد میں ترقی پاکر امارت کے درجہ پر پہنچا تھا اور اس کی وفات کے بعد مدت تک مظفر شاہ کے نام

سے خود سلطنت کرتا رہا اُس نے احمد آباد گجرات میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قایم کیا تھا۔ اور اُس میں عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔ جب اکبر کے عہد میں گجرات فتح ہوا تو یہ کتب خانہ بھی اُمراے اکبری کے ہاتھ لگا۔ جنھوں نے اُس کی کل کتابیں دربار شاہی میں روانہ کردیں۔ اکبر نے وہ سب کتابیں اپنے ہاتھ سے علما اور اُمرا میں تقسیم کردیں۔ صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ اُس میں سے چند کتابیں مجھے بھی ملی تھیں اُن میں ایک نسخہ انوار المشکوٰۃ کا بھی تھا جس میں ایک فصل مشکوٰۃ الانوار سے زیادہ تھی۔

سلاطین مغلیہ کا کتب خانہ

سلاطین مغلیہ کا کتب خانہ ہندوستان کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا۔ اس میں ہندوستان کے تمام شاہانِ سلف کے عہد کے کتب خانوں کی نادر و نایاب کتابیں جمع تھیں ہمایون جب ہندوستان میں دوبارہ آیا تو دہلی کے قلعہ دین پناہ میں کتب خانہ قایم کیا۔ ایک دن اسی کتب خانہ کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا کہ مغرب کی نماز کی اذان سنکر زینہ سے اُترنے لگا۔ راستہ میں پاؤں نے لغزش کی اور لڑھکتا ہوا زینہ سے نیچے گرا اور ایسی چوٹ آئی کہ اس عالمِ فانی سے انتقال کرگیا۔

اکبر کے علمی شوق اور علمی قدردانی کا حال پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اُس کے وقت میں اس کتب خانہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ بنگالہ۔ گجرات۔ خاندیس۔ کابل۔ کشمیر وغیرہ کے کتب خانوں کی تمام نایاب کتابیں اس کتب خانہ میں جمع ہوگئیں۔ اکبر نے نہ صرف سنسکرت ہی کی بہت سی کتابوں کے اپنے اہتمام سے فارسی میں ترجمے کرائے بلکہ اکثر عربی اور فارسی کی کتابوں کا بھی سنسکرت میں ترجمہ کرایا۔ چنانچہ زیچ میرزائی کا ترجمہ سنسکرت میں کیا گیا جس کے ترجمہ میں میر فتح اللہ شیرازی۔ ابوالفضل کشن جوتشی گنگادہر۔ مہیش۔ تھانند یہ سب فضلا شریک تھے۔

اکبر کے عہد میں کتب خانہ کئی جگہہ تقسیم تھا۔ کچھ حرم سرا میں۔ کچھ باہر۔ اس میں دو تقسیمیں تھیں۔ کچھ قدر و قیمت۔ کچھ علوم و فنون۔ نثر۔ نظم۔ ہندی۔ فارسی۔ کشمیری عربی الگ الگ تھیں۔ اسی انتظام سے سال بہ سال موجودات لی جاتی تھی۔ ایک امیر کتب خانہ کے اہتمام پر مامور رہتا تھا۔

جہانگیر کو پرانی کتابیں جمع کرنے کا جس قدر شوق تھا اُس کا اندازہ اس سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ شاہی کتب خانے میں امیر خسروؒ کی سب سے آخری تصنیف مثنوی تغلق نامہ کا جو نسخہ موجود تھا۔ اُس کا ایک مبحث مفقود تھا۔ جہانگیر نے تمام ہندوستان میں اس مثنوی کا دوسرا نسخہ تلاش کرایا مگر دستیاب نہ ہوا۔ مجبور ہوکر ۱۰۱۹ھ ۱۶۱۰ء میں تمام شعرائے دربار کو حکم دیا کہ اسی طرز پر طبع آزمائی کرکے مبحث مفقود کو پورا کریں۔ سب نے طبع آزمائی کی لیکن بادشاہ کو حیاتی کاشی کی نظم پسند آئی اور اُس کو تغلق نامہ میں داخل کیا۔ اور اس کے صلے میں شاعر موصوف کو زر سرخ و سفید سے وزن کراکر ہم وزن چھ تھیلیاں جن میں چھ ہزار اشرفیاں اور روپے تھے انعام میں مرحمت کیں۔ سعیدائے گیلانی نے اس کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

چوں حیاتی را بہ زر سنجید شاہنشاہ عصر — بادشاہ عدل گستر شاہ گردوں اقتدار
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ — آفتاب ہفت کشور سایۂ پروردگار
بہر تاریخش برے گفتہ میزان چرخ — شاعر سنجیدۂ شاہی رقم زد روزگار

شاہجہاں اور عالمگیر کے عہد میں بھی کتابوں کے جمع کرنے کا شوق بڑھتا گیا۔ اکثر امرا اپنے پیشکشوں کے ساتھ نادر و نایاب کتابیں پیش کرکے بادشاہ کو خوش کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ شاہجہاں کے عہد میں جب تربیت خاں نامی ایک امیر نذر محمد خاں والئی بلخ کے دربار میں سفیر ہو کر گیا۔ اور اس نے ۲۴۔ رجب ۱۰۴۲ھ کو وہاں سے واپس ہو کر وہاں

کے نفیس اور بیش قیمت تحائف پیشکش کئے تو جس چیز سے سب سے زیادہ بادشاہ خوش ہوا وہ ایک نہایت عمدہ قرآن شریف تھا جسے شاد ملک خانم بنت سلطان محمد بن جہانگیر میرزا بن امیر تیمور نے خط ریحان مین کمال حسن و لطافت سے لکھا تھا۔ اور خاتمہ پر اپنا نام اور نسب بھی لکھا تھا۔ اسی طرح عالمگیر کے عہد میں سنہ ۱۲ جلوس میں بخشی الملک مخلص خاں نے دیوان صائب جس میں ایک لاکھ تیئیس تیس اور خود صائب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا پیشکش کر کے بادشاہ کو محظوظ کیا۔

اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں۔ عالمگیر کے عہد میں بے شمار مشہور مشہور خوشنویس مثل زریں رقم محمد حسین کشمیری۔ عبدالصمد شیریں رقم۔ ملا حسین کشمیری۔ رشید ائی خوشنویس۔ میر عبداللہ مشکیں رقم۔ میر محمد صالح۔ روشن قلم وغیرہ بڑی بڑی تنخواہوں پر صرف کتابیں نقل کرنے پر مامور تھے۔ اس عہد کی جس قدر کتابیں دیکھنے میں آتی ہیں عموماً مطلا و مذہب اور خوشخط پائی جاتی ہیں۔

فیضی کا کتب خانہ

سلاطین مغلیہ کے عہد میں شاہی کتب خانے کے علاوہ امرا وزرا۔ اور دیگر اہل علم کی کتب خانے علیحدہ موجود تھے۔ چنانچہ ملک الشعرا فیضی کے مرنے کے بعد چار ہزار چھ سو جلدیں نفیس صحیح کی ہوئی اس کے کتب خانہ سے برآمد ہوئیں۔ جن میں اکثر بخط مصنف یا عہد تصنیف کی تہیں یہ سب سرکار بادشاہی میں داخل ہو گئیں۔ فہرست پیش ہوئی تو کل کتابیں تین قسموں میں تقسیم کیں۔ اعلیٰ نظم۔ طب۔ نجوم۔ موسیقی۔ اوسط حکمت۔ تصوف۔ ہیئت۔ ہندسہ۔ ادنیٰ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ۔ ان میں ۱۰۱ جلدیں نلدمن کی تہیں۔

باب دوم

محکمہ طب اور شفاخانے

ہندوستان کے سلاطین سلف کے عہد میں عام طور سے یہ قاعدہ تھا کہ ملک کے بڑے بڑے نامور اطبا کے دربار شاہی سے بیش قرار وظیفے مقرر ہو جاتے تھے معمولی طبیبوں کو جو ہر شہر اور قصبہ میں ہوتے تھے۔ مدد معاش کے نام سے جاگیر مل جاتی تھی یہ طبیب اپنی اپنی جگہ امیر غریب سب کا علاج کرتے اور مفلس اور محتاج بیماروں کو دوا بھی اپنے پاس سے دیتے تھے۔ شاہی وظیفہ یا جاگیر کے علاوہ اُمرا اور متمول لوگوں سے بھی تنخواہ یا نذرانہ کی صورت میں اس قدر امداد ملتی تھی کہ جو دواؤں کے اخراجات کے علاوہ ان کی عزت و وقعت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو کافی ہوتی تھی۔ یہ ہی طبیب طلبائے علم طب کو درس بھی دیتے تھے۔ چونکہ ملک میں یہ پیشہ نہایت اعزاز اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اس کے ذریعہ سے دربار شاہی تک رسائی ممکن تھی لہٰذا طبیبوں کی اولاد عموماً طب کی تحصیل میں مشغول رہتی تھی اور ہر طبیب کو اپنے فن میں کمال پیدا کرنے کا شوق رہتا تھا۔ اسی سلسلہ کی بدولت ہر عہد میں بڑے بڑے نامور اور مشہور اطبا ملک میں پیدا ہوتے رہے۔

جب ہندوستان میں برٹش حکومت قائم ہوئی اور یونانی طبابت کی جگہہ ڈاکٹری علاج کی قدردانی شروع ہوئی ملک میں جابجا سرکاری شفاخانے کھولے گئے اس دن سے

یونانی طبابت کو کس مپرسی کی وجہ سے تنزل ہونا شروع ہوا۔ جو صاحبِ کمال طبیب مر تا گیا۔ پھر کوئی اُس کا ثانی پیدا نہ ہوا۔ اور کیونکر ہوتا یہ سب باتیں قدر دانی سے پیدا ہوتی ہیں نہ قدر دانی رہی نہ کسی کو کمال پیدا کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ اب یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ یونانی طبابت صرف چند روز کی مہمان معلوم ہوتی ہے اور اُس میں بڑے بڑے خاندانی حکیموں کے سوا ذی استعداد اور طبیب حاذق خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

جن طبیبوں کا اوپر ذکر ہوا یہ عام طور سے اپنے اپنے گھروں پر علاج کرتے تھے۔ اس طریق کے علاوہ اکثر بادشاہوں نے شفاخانے بھی جاری کئے تھے۔ مگر ہمارے مؤرخین نے ان باتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اس وجہ سے نہ تو آج ہندوستان کے اسلامی شفاخانوں کی مکمل فہرست تیار ہو سکتی ہے نہ کسی شفاخانے کے مفصل حالات معلوم ہو سکتے ہیں البتہ اگر کہیں ضمنی تذکرہ میں کچھ ذکر آ گیا ہے تو اُس سے ان شفاخانوں کا بھی کسی قدر پتہ چلتا ہے۔ مجھے نہایت تلاش و جستجو اور بہت سی تاریخوں کی ورق گردانی سے جس قدر حالات دستیاب ہوئے ہیں وہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ مجبوراً ناظرین کو انہیں پر قناعت کرنی چاہئے۔

محمد شاہ تغلق کے عہد کے شفاخانے

محمد شاہ تغلق کے عہد (۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء لغایت ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء) سے پہلے کسی شفاخانہ کا پتہ نہیں ملتا۔ شمس العلماء مولانا شبلی نے جو رسالہ اسلامی حکومتیں اور شفاخانے کے نام سے لکھا ہے۔ اُس میں ہندوستان کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ "ہندوستان میں بھی کثرت سے شفاخانے موجود تھے اور اگر ہم مقریزی کی روایت کا اعتبار کریں تو صرف ایک شہر دہلی میں ستر شفاخانے جاری تھے"[1]

(۱) رسائل شبلی صفحہ ۱۵۔

محمد شاہ تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا۔ اس کو رفاہ عام کے کاموں سے بہت دلچسپی تھی اُس نے اپنے عہد (۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء لغایۃ ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) میں دہلی میں ایک شفاخانہ جاری کیا۔ اُس میں امیر و غریب۔ مسافر مقیم، ہندو مسلمان سب کو دوا اور غذا مفت ملتی تھی۔ بیماروں کی خدمت کیواسطے شفاخانہ میں ملازم موجود تھے اور ہر قسم کی آرام و آسایش کا انتظام کیا گیا تھا۔ شفاخانے کے اخراجات کے واسطے بادشاہ نے بڑے بڑے زرخیز دیہات وقف کردئیے تھے۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد کے شفاخانے

اس شفاخانہ کا سالانہ خرچ ۳۶ لاکھ ٹنکہ تھا۔ فیروز شاہ نے اپنی سوانح عمری میں اس شفاخانہ کی نسبت یہ لکھا ہے "میں نے خدا کی عنایت سے ایک دارالشفا بھی بنوائی ہے جس میں ادنیٰ و اعلیٰ کا علاج ہوا کرے۔ اطبائے حاذق کو اس میں مقرر کیا ہے کہ مریضوں کی بیماری کی تشخیص کر کے دوا اور غذا سے اُن کی صحت کی تدبیر کریں۔ میں نے دوا اور غذا کے خرچ کے واسطے اوقاف مقرر کئے ہیں۔ مقیم۔ مسافر۔ وضیع و شریف۔ غلام۔ آزاد جو بیمار ہوں دارالشفا میں پورے طور سے اُن کا علاج ہوا کرے گا۔ اور خدا اپنے فضل سے شفا دیگا۔ خدا نے مجھے سب سے زیادہ توفیق دی کہ میری یہ آرزو ہوئی کہ میں رفاہ عام کیلئے اس قسم کی عمارتیں تعمیر کراؤں"۔

اس شفاخانے کے علاوہ فیروز شاہ نے چار شفاخانے اور جاری کئے مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ شفاخانے کس شہر میں جاری کئے گئے تھے۔

دکن کے خاندان بہمنیہ کے دسویں سرتاج سلطان علاؤالدین بہمنی نے (۸۳۸ھ لغایۃ ۸۶۲ھ) احمد آباد بیدر میں ایک نہایت عالیشان اور نفیس شفاخانہ تعمیر کرا کر جاری کیا۔ اُس کے اخراجات کے واسطے کئی گاؤں وقف کئے۔ اس شفاخانے میں یونانی اور ویدک دونوں اصول کے موافق علاج ہوتا تھا اور مسلمان طبیبوں کے ساتھ ہندو وید بھی ملازم تھے۔

احمد آباد بیدر کا شفاخانہ

مانڈو کا شفاخانہ

سلطان محمود خلجی نے اپنی دار السلطنت مانڈو[۵۱] (مالوہ) میں ۸۴۹ھ میں ایک بہت عمدہ شفاخانہ تعمیر کرایا تھا۔ اس میں ہزاروں بیماروں کا علاج ہوتا تھا۔ بہت سے گاؤں اوس کے خرچ کے واسطے وقف تھے۔ بیماروں کی آسایش کا پورا پورا انتظام تھا۔ حکیم فضل اللہ جو حکیم الحکما کے خطاب سے موصوف اور بڑا صاحب کمال طبیب تھا اس شفاخانہ کا مہتمم تھا۔

امرت گرمیا ویدک کی کتاب کا فارسی میں ترجمہ ہونا

سلطان سکندر لودی (۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء لغایۃ ۹۲۳ھ ۱۵۲۷ء) کو علم طب سے خاص دلچسپی تھی۔ اُس نے اول امرگرھا نامی ویدک کی کتاب کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرایا۔ اس کے بعد خراسان اور ہندوستان کے طبیبوں کو جمع کرکے دونوں طرح کی طب کی کتابوں سے مضامین کو انتخاب کرایا اور اُس کا نام طب سکندری رکھا۔ علم طب میں یہ کتاب بہت معتبر سمجھی جاتی ہے۔

کتاب سالوتر کا ترجمہ

احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ لغایۃ ۸۳۸ھ) نے سالوتر نامی کتاب کا جو گھوڑوں کے علاج میں تھی فارسی زبان میں ترجمہ کرایا۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن صفی نے بادشاہ کے حکم سے اس کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔

بھاگ نگر کے شفاخانے

محمد قلی قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ نے ۹۹۰ھ میں یا اس کے قریب جب ایک نیا شہر بھاگ نگر[۵۲] کے نام سے آباد کیا تو اس میں کئی شفاخانے بنوا کر جاری کیے۔ جن کی طبیبوں

[۵۱] - اب یہ مقام اور اوسکا مشہور قلعہ جہاں مسلمانوں کے عہد کی سیکڑوں نفیس عمارتیں اب بھی ٹوٹی پھوٹی موجود ہیں - ریاست دہار میں واقع ہے -

[۵۲] - اب حیدرآباد کے نام سے مشہور اور حضور نظام دکن کا دار الحکومت ہے -

کو شاہی خزانہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ دوا اور غذا کا کافی انتظام تھا۔

اسی بھاگ نگر میں جب عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ڈچوں کا سفیر مسٹر چیسٹر بٹاویہ سے آیا تو اس کے ساتھ ایک ڈاکٹر دے لان نامی بھی تھا۔ چونکہ بھاگ نگر میں اُس وقت کوئی عمدہ طبیب یا جراح موجود نہ تھا لہذا عبداللہ قطب شاہ نے بڑے اصرار سے سفیر سے اُس کو مانگ لیا۔ اور آٹھ سو ہون (۳۲۰۰ روپیہ) ماہوار اس کی تنخواہ مقرر کر کے افسرالاطبا کے عہدے پر سرفراز کیا۔

۲۷ سنہ جلوس میں ۱۵ صفر سنہ ۹۹۰ھ کو اتوار کے دن نوروز کا جشن تھا اکبر نے حکم دیا کہ آج ہر ایک امیر اپنی اپنی رائے کے مطابق رفاہ عام کی ایک ایک تجویز پیش کرے۔ چنانچہ حسب ذیل تجویزیں پیش ہو کر منظور ہوئیں۔ اکبر بادشاہ کے عہد کے شفا خانے

شاہزادہ سلیم	بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کی شادی نہ ہوا کرے۔
خان اعظم مرزا عزیز کوکہ	حکام ملک کو حکم دیا جائے کہ قتل ملزمان میں دلیری اور جلدی نہ کیا کریں تا وقتیکہ حضور میں اطلاع نہ ہو کوئی ملزم قتل نہ کیا جائے کیونکہ ہر شخص میں انجام بینی اور بے غرضی نہیں ہوتی۔
راجہ ٹوڈرمل	جس طرح ہر روز بارگاہ دولت میں طرح طرح کی خیرات ہوتی ہے۔ اسی طرح امرا بھی ہفتہ یا مہینہ یا سال میں تہیدستوں کے حال پر التفات کیا کریں۔
مرزا یوسف خاں	ہر شہر اور ہر قصبہ میں سوانح نویس مقرر ہوں۔ اور روزنامچہ دربار میں آیا کرے۔
شہباز خاں	مسافروں کی آسایش کے واسطے تمام قلمرو کی گذرگاہوں پر

حکیم ابوالفتح
شیخ فیضی

سرائیں تعمیر ہوں۔
بیماروں کے واسطے شفاخانے قایم کیے جائیں۔
بازاروں میں کارشناس مقرر ہوں اور ہر چیز کا نرخ مقرر کر دیا جاے۔

علی ہذالقیاس راجہ بیربر۔ شیخ جمال۔ ابوالفضل وغیرہ کی طرف سے تقرر جاسوس وغیرہ کی تجویزیں پیش ہوئیں اور سب کی راے منظور ہوئی۔[ا]

اکبر آباد کے شفاخانہ

پس قیاس غالب ہے کہ اُس دن سے سلطنت مغلیہ میں شفاخانوں کی بنیاد شروع ہو گئی۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس تجویز کے مطابق کہاں کہاں شفاخانے قایم ہوے۔ صرف دارالخلافت اکبرآباد کی نسبت اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اکبر کے عہد میں یہاں کئی شفاخانے قایم تھے چنانچہ منشی ریسل چند اپنی تاریخ آگرہ میں اکبر کے عہد کے حال میں لکھتے ہیں "بجابجا بندیں دارالشفا و بیمار خانہا مقرر بودند و اطباے حذاقت پیشہ مثل وزیر خاں و مسیح الزماں ترقی ایں فنون مے نمودند" اسی تاریخ میں قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان کی عمارتوں کے حال میں لکھا ہے۔ "ونیز مکان دارالشفا نیز درآنجا سعادت اساس دارد کہ در زماں شہریاراں سلف دوا بہ غریباں مے دادند" اس مقام پر اب آگرہ فورٹ کا ریلوے اسٹیشن واقع ہے۔

جہانگیر کا حکم شفاخانوں کی نسبت

اکبر کے بعد جہانگیر نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے جو بارہ احکام صادر کیے۔ انھیں نواں حکم یہ تھا "کہ بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے قایم کیے جائیں۔ اور انمیں اطبا کو بیماروں کے معالجہ کے واسطے تعینات کیا جائے۔ اور جو کچھ صرف ہو وہ سرکار خالصہ شریفہ یعنی خاص سرکار شاہی سے دیا جاے"[۲]

[ا]۔ اکبرنامہ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور جلد سوم صفحہ ۱۴ [۲] تزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈھ صفحہ ۴۔ کارنامہ جہانگیری میں اس حکم کو بجاے نویں کے چوتھا حکم لکھا ہے اور اس طرح پر لکھا ہے "سارے بڑے بڑے شہروں کے حاکموں کو حکم دیا گیا کہ وہ دارالشفا قایم کریں اور جو بیمار اونکے اندر آئیں انکو عمدہ دوا اختیار کرے بجاے دیکر وہ اچھا ہوں۔ اور جب وہ دارالشفا سے جائیں تو انکو بقدر ما یحتاج نقد روپیہ دیا جاوے۔ اور یہ سارے خرچ خزانہ شاہی سے اٹھائے جائیں"۔ (صفحہ ۲ کارنامہ جہانگیری)

شفاخانہ دہلی

افسوس ہو کسی تاریخمین ان شفاخانوںکی فہرست نہین ملتی۔ اسقدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ سلطنت مغلیہ کی آخری عہد تک بڑے بڑے شہروںمین شفاخانے جاری تھے چنانچہ دہلی کا شفاخانہ محمد شاہ کی عہد تک موجود تھا۔ صاحب المشاہیر حکیم قوام الدینخان دہلوی محمد شاہ کی تذکرہمین لکہتے ہین کہ انکے باپ اعظم الدینخان محمد معظم بہادر شاہ کی زمانہ کی علما و امرا مین تھے سلسلۂ نسب نوین پشت مین امام العارفین مخدوم شیخ سماء الدین سے ملتا ہے علوم عقلی و نقلی مین اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد تھے معتمد الملوک حکیم علویخان سے طب کسب کیا تھا شاہی طبیبونمین منتخب و دار الشفاء دہلی کے مہتمم تھے تین لاکھ روپیہ سالانہ دار الشفاء

شفاخانہ سورت

رقعات عالمگیری اور منتخب اللباب سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے عہد میں شہر سورت میں بھی شاہی شفاخانہ موجود تھا۔ چنانچہ جب اُس شفاخانے کے افسر الاطبا کا عہدہ خالی ہوا۔ اور شہر سورت کے ایک بزرگ نے جن کا نام سید سعد اللہ تھا اور جنھیں بادشاہ کے مزاج میں بہت درخور حاصل تھا۔ اس عہدے کے واسطے کسی طبیب کی سفارش کی تو بادشاہ کو بہت ناگوار گذرا اگرچہ سید موصوف کی خاطر سے بادل ناخواستہ اس سفارش کو منظور کرلیا مگر آیندہ کے واسطے اس قسم کی سفارش کرنے کی ممانعت کردی چنانچہ اس کی نسبت اپنے وزیر کے نام جو حکم بھیجا تھا وہ بجنسہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے " سید سعد اللہ مکرر خطوط بما فرستادہ و اظہار چیزہا بسیار نمودہ کہ سوانح نگار بندر سورت تغیر باید کرد و خلف حکیم افسر متوفی را خدمت دار الشفا مقرر نمودہ بہ اضافہ یومیہ قوت دل بخشید۔ بہ سید باید نوشت کہ بعد ازیں در مقدمات اہل خدمت کہ بفحوائے آیت کریمہ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الایہ در حقیقت ظالم اند دخل نہ نمودہ باشند۔ ہرچند ایں طائفہ بر غیر ظالم نباشد بر نفس خود ظالم است در ہر ورق مستدعی بودن خود بہ دعائے موت فی اللہ وا نمودہ اند حق است فی ہذا الموت حیات۔ ایں نیازمند درگاہ بے نیاز ہم ہمیشہ ایں آیہ کریمہ اللھم

توسطا۔ المشاہیر صفحہ ۲۳۹-۲۴۰-

احمد آباد گجرات کا شفاخانہ

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین ورد دارد و در معنی تلقی قبل لقاءیۃ الانبیاء والاولیاء اجمعین صورتھا بجاے آرد۔ اگرچہ فضلاے غور نکات عمدہ گفتہ اند اما چنانچہ باید تشفی نمی شود و آں معرفت آگاہ بر تحقیق خود بر نگارد والسلام ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں حکیم میر محمد ہاشم کے حال میں لکھا ہے "کہ جب شاہجہاں کو حکیم موصوف فضائل علمی خصوصاً کمالات طبی کا حال معلوم ہوا تو بادشاہ نے اُن کو خدمت صدرات اور طبابت احمد آباد گجرات پر سرفراز کیا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احمد آباد میں بھی شاہی شفاخانہ موجود تھا۔

اٹاوہ کا شفاخانہ

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے عہد تک شفاخانوں کا اسقدر رواج ہوگیا تھا کہ شاہی شفاخانوں کے علاوہ اکثر امرا نے بھی اپنے خرچ سے شفاخانے جاری کر رکھے تھے۔ چنانچہ عالمگیر کے عہد میں اٹاوہ کے فوجدار نواب خیر اندیش خاں کنبوہ نے اٹاوہ میں ایک شفاخانہ جاری کیا تھا جس میں بڑے بڑے نامی گرامی یونانی طبیب اور ہندی بید ملازم تھے غریب بیماروں کو شفاخانہ سے دوا اور غذا مفت ملتی تھی۔ نواب موصوف خود بھی طب میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ کتاب خیر التجارب ۱۰۸۷ آپ کی تصنیف سے ہے اُس کے دیباچہ میں اس شفاخانہ کا ذکر اس طرح تحریر فرماتے ہیں "اما بعد ایں قلیل البضاعت کثیر العصیان مسمٰی بہ محمد خاں مخاطب بہ خطاب خیر اندیش خاں کہ براے اکتساب صواب آخروی در بلدۂ اٹاوہ دار الشفا بنا ساختہ اکثر اطبا مثل حکیم عبدالرزاق نیشاپوری و حکیم عبدالمجید صفاہانی و مرزا محمد علی بخاری و حکیم محمد عادل و حکیم محمد اعظم حکماے یونانی و کنول نین و سکھانند و نین سکھ مشران ہندی کہ رفیق قدیم ایں احقر اند مامور ساخت تا دواہاے قیمتی و سہل البیع از ہر اقسام مع غذاہاے مایحتاج براے مساکین و غربا مہیا

دارند۔ ولوازمات معالجات وبیمارداری باعُنوان شالیستہ بتقدیم رسانند چنانچہ بفضل الٰہی حسب دلخواہ کارخانہ جاری ست انتہیٰ"

سلطنت مغلیہ کے نامور طبیبوں کی فہرست

اب ہم سلطنت مغلیہ کے عہد کے نامور اطبا کی فہرست اور مختصر حالات ذیل میں درج کرتے ہیں یہ اطبا خاص دارالخلافت اور ملک کے مختلف حصوں میں متعین تھے۔

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم مصری	اکبر	علوم طب میں بڑے کامل اور علوم عقلی میں بھی بڑے ماہر تھے۔ بادشاہ نے دکن سے بلاکر حکماء پایۂ تخت میں داخل کیا تھا۔ ابوالفضل ان کی نسبت لکھتے ہیں کہ طب کو ایسا جانتے تھے کہ اگر سارے طبابت نامے نہ رہتے۔ تو یاد سے لکھ دیتے۔ لطف و محبت سے اپنے بیگانے کو خوش رکھتے تھے بعض بعض غریب امیر کسی کے علاج میں بند نہ ہوتے اور کھلی پیشانی سے علاج کرتے تھے۔ بعضے بعضے علاج بڑے کمال کے ان سے ظہور میں آئے۔ خاندیس میں بمقام برہانپور ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔
امیر طبیب ہروی	〃	طبیب حاذق اور معاصرین پر فائق تھے۔
حکیم ابوالفتح گیلانی	〃	لاہجان علاقہ گیلان کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۹۸۲-۹۸۳ھ

نام	عہد	مختصر حالات
		میں ہندوستان میں وارد ہوکر دربار میں داخل ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اکبر کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل کیا اور مسیح الدین کے خطاب سے موصوف ہوئے۔ علم طب کے علاوہ جمیع کمالات انسانی سے موصوف تھے۔ زمانہ کے مزاج سے واقف اور اہل زمانہ کی نبض خوب پہچانتے تھے۔ ۹۹۷ھ میں جبکہ اکبر کے ساتھ کشمیر سے واپس آ رہے تھے درد شکم اور اسہال میں مبتلا ہو کر حسن ابدال میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ شرح قانونچہ قیاسیہ۔ چار باغ ان کی تصنیفات سے یادگار ہیں۔ منصب ہزاری پر جس کی تنخواہ ۸۲۰۰ روپے ماہوار تھی سرفراز تھے۔
حکیم زنبل بیگ شیرازی	اکبر	حکیم فخر الدین محمد شیرازی کے بھائی تھے۔ سلسلہ نسب حارث بن کلدہ سے جو عرب میں علمی طبابت کا بانی اور طبیب العرب کے خطاب سے موصوف تھا ملتا ہے۔ اکبر کے شروع عہد میں ہندوستان میں وارد ہو کر مقربان بادشاہی میں داخل ہوئے۔ طب میں بےنظیر اور علم و دانش میں ممتاز تھے۔

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم علی گیلانی	اکبر و جہانگیر	حکیم الملک کے بھانجے تھے حکمت میں ان کے اور شاہ فتح اللہ کے شاگرد تھے علوم نقلی میں شیخ عبد الغنی سے تلمذ کیا تھا۔ اکبر کے عہد میں لاہور میں تعینات تھے وہاں انہوں نے سنہ ۱۰۰۲ھ میں ایک حوض بنایا کہ پانی سے لبریز تھا عرض و طول ۲۰ × ۲۰ - گہرا ۴ گز بیچ میں حجرہ سنگین اسکی چھت پر بلند منارہ حجرہ کے چاروں طرف چار پل۔ لطف یہ کہ حجرہ کے دروازہ کھلے تھے اور پانی اندر نہ جاتا تھا۔ سات برس پہلے فتحپور میں ایک حکیم نے اسی کمال کا دعوی کیا تھا سب سامان بنوایا۔ مگر بن نہ آیا آخر کہیں غوطہ کھا گیا۔ اس باکمال نے کہا اور کر دکھایا۔ میر حیدر معمائی نے حوض حکیم علی تاریخ کہی۔ بادشاہ بھی سیر کو آئے۔ سنا کہ جو اندر جاتا ہے۔ رستہ ڈھونڈتا ہے نہیں ملتا دم گھٹ کر گھبراتا ہے اور نکل آتا ہے۔ خود کپڑے اوتار کر غوطہ مارا اور اندر جا کر سارا حال معلوم کیا اور باہر نکل آئے۔ جہانگیر کے عہد میں حکیم علی آگرہ میں متعین ہوئے اور یہاں بھی انہوں نے ایک ایسا ہی حوض بنایا۔ جہانگیر نے

نام	عہد	مختصر حالات
		۱۰۱۶ھ میں لکھا ہے "آج آگرہ میں حکیم علی کے گھر اُس حوض کا تماشہ دیکھنے گیا۔ جیسا کہ والد کے وقت میں اُس نے لاہور میں بنایا تھا۔ چند مصاحبوں کو ساتھ لے گیا کہ انہوں نے نہیں دیکھا تھا ۶ × ۶ ہے۔ پہلو میں ایک حجرہ ہے نہایت روشن۔ رستہ اسی حوض میں سے ہے مگر پانی اس راہ سے اندر نہیں آتا۔ دس بارہ آدمی اس میں جلسہ جما کر بیٹھ سکتے ہیں" اس حوض کو دیکھکر جہانگیر نے حکیم کو منصب دوہزاری (۲۰۰۰) پر جس کی تنخواہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) روپیہ ماہوار تھی سرفراز کیا۔ آگرہ میں جمنا کے کنارہ یہ مقام اب تک موجود اور حکیم کے باغ کے نام سے مشہور ہے۔ عمارت کے کچھ آثار بھی ہنوز باقی ہیں۔ مشہور ہے کہ جب جہانگیر قلعہ سے کشتی پر سوار ہو کر اس حوض کے دیکھنے کو تشریف لیچلے اُس وقت حکیم نے اس قدر کیوڑہ دریا میں بہا دیا کہ تھوڑی دیر کے واسطے تمام دریا معطر ہوگیا۔
حکیم حسن گیلانی	اکبر	جمیع مکارم اخلاق اور محامد اوصاف سے موصوف اور بڑے طبیب حاذق تھے۔

مختصر حالات	عہد	نام
اکبر کے عہد کے نامور طبیبوں میں تھے۔	اکبر	حکیم حسن
ایضاً	"	حکیم ارسطو
کابل میں تعینات تھے۔ طب کی بہت سی کتابیں پڑھی تھیں۔ علم ہیئت میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ قانون کی شرح فارسی میں لکھی ہے۔	"	حکیم فتح اللہ گیلانی
حکیم نجم الدین عبداللہ بن شرف الدین حسن کے شاگرد رشید تھے۔ درویش مزاج پاک اعتقاد تھے طبابت میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ دکن سے ہندوستان میں آئے اور ملازمان شاہی میں داخل ہو کر صوبہ مالوہ میں تعینات ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔	"	حکیم مسیح الملک شیرازی
یہ صغیر سنی ہی میں شاہ طہماسپ والئی ایران کی طبابت میں مشغول تھے۔ اس کے بعد ہندوستان میں آگئے ملازمان اکبری میں داخل ہوئے اور بڑی ترقی پائی۔ نہایت صالح اور پاکیزہ خیال بزرگ تھے۔ اگرچہ علمیت کم تھی مگر تجربہ بہت بڑھا ہوا تھا بیماروں کے حق میں انکا قدم بڑا متبرک گنا جاتا تھا۔	"	حکیم جلال الدین مظفر عربستانی
یہ طب میں بڑے حاذق تھے۔ اور علم بھی بہت اچھا تھا۔	"	حکیم لطف اللہ گیلانی

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم سیف الملک	اکبر	فضیلت علمی اور حکمت کے علاوہ شعرگوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شجاعی تخلص تھا۔ خانخاناں بیرم خاں کے زمانہ میں ہندوستان میں رہے مگر جب خاطر خواہ ترقی نہ ہوئی تو ہندوستان سے ایران چلے گئے۔
حکیم ہمام	اکبر	حکیم ابوالفتح کے بھائی تھے۔ علم و فضل حسن لیاقت میں بینظیر تھے ۹۹۴ھ میں عبداللہ خاں ازبک والئی توران کے دربار میں سفارت پر بھیجے گئے۔ ۱۰۰۳ھ میں بمقام لاہور انتقال کیا اور حسن ابدال میں بھائی کے پاس سو رہے۔ منصب ششش صدی پر جس کی تنخواہ ۳۵۰۰ روپیہ ماہوار تھی سرفراز تھے۔
حکیم عین الملک شیرازی	"	فن طب کے علاوہ کمالات شاعری سے بھی موصوف تھے۔ نہایت خلیق بزرگ تھے۔ اول لاہور میں متعین تھے پھر دکن میں تعینات ہوئے اور ہنڈیہ میں انتقال کیا۔
حکیم الملک گیلانی	"	ان کا نام شمس الدین تھا۔ حکمت اور طب میں اپنے زمانہ کے جالینوس تھے علوم نقلی میں بھی کافی مہارت تھی۔ مطب سے علاوہ ہر وقت طلبا کے درس میں مشغول

نام	عہد	مختصر حالات
		رہتے تھے اور کسی وقت بالغیر اُن کے کھانا نہ کھاتے تھے۔ رخصت لیکر حج کے واسطے تشریف لے گئے ۹۸۸ھ میں سعادت حج سے مشرف ہوکر وہیں وفات پائی۔
حکیم شیخ حسن پانی پتی	اکبر	فن جراحی میں بےنظیر تھے۔
شیخ بنیا	〃	حکیم شیخ حسن کے بیٹے تھے۔ باپ کی طرح جراحی میں بڑی مہارت تھی اور باہیوں کا علاج خوب جانتے تھے۔
حکیم شفائی	〃	علامی ابوالفضل نے آئین اکبری میں حکماے عہد اکبری میں شمار کیا ہے۔
حکیم نعمت اللہ	〃	ایضاً۔
حکیم داوی	〃	لاہور میں تعینات تھے حکیم علیم الدین وزیر خاں کو ان کی شاگردی پر فخر تھا۔
حکیم طلب علی	〃	علامی ابوالفضل نے آئین اکبری میں حکماے عہد اکبری میں شمار کیا ہے۔
حکیم عبدالرحیم	〃	ایضاً
حکیم روح اللہ	〃	ایضاً

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم نجم الدین علی	"	علامی ابو الفضل نے آئین اکبری میں حکمائے عہد اکبری میں شمار کیا ہے
حکیم محمد اسحق	"	ایضاً
مہادیو	"	ایضاً
بھیم ناتھ	"	ایضاً
نرائن	"	ایضاً
شیوجی	"	ایضاً
حکیم روح اللہ کاشی	جہانگیر	۔۔۔ سنہ جلوس میں سو اشرفیاں اور ہزار روپے بادشاہ نے انعام میں دیے۔ سنہ ۱۳ جلوس میں جب جہانگیر بہت سخت بیمار ہوا اور تمام ہندو مسلمان طبیبوں نے جواب دیدیا تو ان کے علاج سے شفا حاصل ہوئی۔ صحت کے بعد جہانگیر نے علاوہ ترقی منصب کے تین گائوں بہ طریق ملکیت اور ہموزن زر انعام میں مرحمت کیا
مقیم سید گجراتی	جہانگیر	
حکیم تقی گجراتی	"	
حکیم رکنا کاشی	جہانگیر و شاہجہان	حکیم نظام الدین احمد کاشی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں شاہ عباس فرمانروائے ایران کی سرکار میں ملازم تھا۔ وہاں سے ملازمت ترک کرکے اکبر کے عہد میں ہندوستان

نام	عہد	مختصر حالات
		میں وارد ہوا۔ اور شاہی ملازمت میں داخل ہوا۔ اس کے بعد استعفا دیکر ایران چلا گیا۔ جہانگیر کے عہد میں واپس آکر پھر ملازمت شاہی میں داخل ہوا شاہجہاں کے عہد تک موجود اور ۲۴ ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ پاتا تھا سنہ ۱۰۴۲ھ میں بوجہ ضعیفی ملازمت سے استعفا دے کر مشہد مقدس روانہ ہوا۔
حکیم صدرا مسیح الزماں	جہانگیر شاہجہاں	حکیم فخر الدین محمد شیرازی کا بیٹا تھا سنہ ۱۰۱۱ھ میں ہندوستان میں وارد ہوکر ملازمت شاہی میں داخل ہوا جہانگیر نے خطاب مسیح الزماں سے موصوف کیا سنہ ۱۳ جلوس میں بیس ہزار روپے انعام میں مرحمت ہوئے سنہ ۱۶ جلوس میں رخصت لیکر حج کو گیا۔ بادشاہ نے بیس ہزار روپے سفر خرچ کے واسطے مرحمت کئے۔ شاہجہاں کے عہد میں لاہور میں تعینات تھا سنہ ۱۰۴۰ھ میں پھر رخصت لے کر حج کے واسطے گیا۔ سنہ ۱۰۴۵ھ میں وہاں سے واپس آکر سورت میں ہوا سنہ ۱۰۵۴ھ میں پچاس ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ مقرر ہوئی اور دس ہزار روپیہ انعام میں ملے۔
حکیم ابوالقاسم گیلانی	جہانگیر و شاہجہاں	حکیم شمس الدین کا بیٹا اور بڑا حاذق طبیب تھا۔ شاہجہاں

نام	عہد	مختصر حالات
		کے عہد میں منصب دو ہزاری پر سرفراز تھے۔
حکیم مومنائی شیرازی	جہانگیر و شاہجہاں	بڑا باکمال طبیب تھا۔ ایران سے آکر اول مہابت خاں کی سرکار میں ملازم ہوا اس کے بعد ملازمان جہانگیری میں داخل ہوا۔ شاہجہاں کے عہد میں ۱۰۴۲ھ میں ۱۶ ہزار روپیہ سال تنخواہ مقرر ہوئی۔ ۱۰۴۷ھ میں ۲۰ ہزار اور ۱۰۴۹ھ میں ۲۴ ہزار اور ۱۰۵۲ھ میں ۳۰ ہزار روپیہ سالانہ پر ترقی پائی۔ ۱۰۵۴ھ میں منصب ہزاری پر سرفراز ہوا۔
حکیم حمید گجراتی	جہانگیر	جہانگیر نے مرتضیٰ خاں سے اس کے کمالات طبی کا شہرہ سن کر گجرات سے دربار میں طلب کیا جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سوائے اس کے گجرات میں کوئی اچھا طبیب نہیں ہے تو ایک ہزار روپیے اور چند عدد شال مرحمت فرما کر گجرات کو واپس کیا۔ اور ایک گاؤں مدد معاش میں عطا کیا۔
حکیم یاد علی	″	جہانگیر نے اس کی بہت تعریف لکھی ہے۔ لاہور میں تعینات تھا۔ ایک دن بادشاہ اس کے مکان پر بھی گئے تھے۔

مختصر حالات	عہد	نام
دربار شاہی میں تعینات تھا۔ ۹ سنہ جلوس میں جہانگیر کے سر میں شدت سے درد اٹھا تمام اطبا علاج کرتے کرتے تھک گئے مگر درد سر رفع نہ ہوا آخر اس کے علاج سے شفا حاصل ہوئی۔	"	حکیم عبدالشکور
فن جراحی میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ ۱۳ سنہ جلوس میں بادشاہ نے ایکہزار روپیہ انعام دیا۔	"	علی اکبر
حکیم ابوالقاسم شیرازی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں پچاس روپیہ یومیہ روزینہ مقرر تھا۔ ۱۰۵۵ھ میں منصب نہ صدی سے ممتاز ہوا۔	شاہجہاں	حکیم فتح اللہ
حکیم ہمام کا بیٹا تھا۔ اول پندرہ ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ مقرر مقرر تھی پھر تیس ہزار ہوئی۔ ۱۰۵۴ھ میں چالیس ہزار سالانہ مقرر ہوئے۔	"	حکیم عبدالحاذق
حکیم عبدالحاذق کا بھائی اور منصب ہزار و پانصدی سے سرفراز تھا۔	"	حکیم خوشحال
منصب ہزاری سے ممتاز اور لاہور میں تعینات تھا۔	"	حکیم جمالائی کاشی
حکیم عنایت اللہ کا بیٹا تھا۔ ایران میں شاہ عباس صفوی کا مقرب اور طبیب خاص تھا بادشاہ کے انتقال کے	شاہجہاں و عالمگیر	حکیم محمد داؤد تقرب خاں

نام	عہد	مختصر حالات
		بعد ۱۰۵۳ھ میں ہندوستان میں آیا۔ اور ملازمت شاہی میں داخل ہوکر اپنے کمالات طبی کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہانتک ترقی پائی کہ پنجہزاری کا منصب اور تقرب خاں کے خطاب سے موصوف ہوا۔
جگ جیون جراح	شاہجہان	فن جراحی میں اپنے عہد میں بےنظیر سمجھا جاتا تھا۔
حکیم صادق خاں حکیم الملک	عالمگیر	عالمگیر کے عہد کے باکمال طبیبوں میں سے تھا ۱۱۱۶ھ میں جب بادشاہ کو اس کے علاج سے صحت ہوئی تو ہموزن اشرفیاں انعام میں مرحمت فرماکر حکیم الملک کے خطاب سے موصوف کیا۔
ڈاکٹر موسی مارٹین	"	یورپین ڈاکٹر تھا۔ ملازمت شاہی میں داخل اور حیدرآباد دکن میں متعین تھا۔
ڈاکٹر برنیر	"	فرانسیسی ڈاکٹر تھا بطور سیاحی کے ہندوستان میں وارد ہوکر اخیر عہد شاہجہانی میں طبیبوں کے ذیل میں ملازمت شاہی میں داخل ہوا۔ تھوڑی مدت بعد نواب دانشمند خاں وزیر خارجہ۔ شہنشاہ عالمگیر نے اپنی سرکار میں تبدیل کرالیا اور تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کردی آٹھ برس تک یہ ڈاکٹر صاحب سلطنت مغلیہ کے

نام	عہد	مختصر حالات
		نمکخوار رہے انہوں نے اپنا سفرنامہ بھی لکھا ہے جسکا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔
معتمد الملوک حکیم علوی خاں	محمد شاہ	سید محمد ہاشم علوی خاں نام تھا سید عبدالہادی کے بیٹے تھے محمد شاہ کے وقت میں ایران سے ہندوستان میں وارد ہو کر زمرہ اطبائے پایہ تخت شاہی میں داخل ہوئے معتمد الملوک محمد شفائی خاں خطاب پایا طب میں بے نظیر وقت تھے۔ کتاب جامع الجوامع اُن کی تصنیف ہے ۱۱۶۰ھ میں رحلت کی۔ چو سال رحلت علوی بہ جستم بگفت ہاتف طبابت از جہاں رفت تاریخ وفات ہے۔
حکیم قوام الدین خاں (محمد شاہ)	″	طب میں حکیم علوی خاں کے شاگرد اور دارالشفا دہلی کے مہتمم تھے۔

یہ ایک مختصر فہرست حکمائے سلطنت مغلیہ کی ہے۔ ورنہ اس عہد میں صیغہ طبابت کو اسقدر وسعت تھی کہ ہر بادشاہ کے عہد میں سیکڑوں ہزاروں طبیب ملازم تھے۔ اس فہرست میں عوام کا تو کیا ذکر مشہور و معروف طبیبوں مثل حکیم نورالدین قراری اکبری۔ شیخ حسن مقرب خاں جہانگیری۔ شیخ قاسم جہانگیری۔ حکیم علیم الدین وزیر خاں شاہجہانی۔ حکیم میر عبدالکریم شاہجہانی۔ حکیم ضیاءالدین شاہجہانی۔ حکیم عبداللہ گیلانی۔ حکیم محمد صالح و حکیم

محمد محسن وحکیم محمد مہدی وحکیم معصوم خاں وحکیم محمد شفیع وحکیم محمد رضا وحکیم محمد امین عالمگیری وغیرہ کے حالات کو بھی بخوف طوالت قلم انداز کر دیا گیا ہے۔

باب سوم

سڑکیں۔ سرائیں۔ نہریں۔ پل۔ تالاب۔ باولیاں وغیرہ

ہندوستان کے کسی مورخ نے فیروز شاہ تغلق کے عہد سے پہلے امورات رفاہ عام کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے پہلے صرف شمس الدین التمش کے اس تالاب کا پتہ چلتا ہے جو اس نے دہلی میں بنوایا تھا۔ امیر خسروؒ نے اپنی مثنوی قران السعدین میں اس تالاب کی بہت تعریف کی ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس تالاب کا طول دو میل اور عرض ایک میل ہے اور تمام شہر کے لوگ اسکا پانی استعمال کرتے ہیں۔

اسی سیاح کے سفرنامہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان میں بہت سی سڑکیں موجود تھیں جن کے دونوں طرف درخت لگے تھے اور منزلوں پر آرامگاہیں بنی ہوئی تھیں۔ چنانچہ وہ دہلی سے دولت آباد کے سفر کے حال میں لکھتا ہے کہ سڑک پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک دورویہ تمام درخت ہی درخت ہیں اور مسافر کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک باغ میں جا رہا ہے۔ علاوہ اس کے ہر تین میل کے فاصلے پر ایک آرام گاہ ہے جو پیادہ قاصدوں کے لئے منزل کا کام دیتی ہے اور اور لوگ بھی آباد ہیں۔ ہر منزل پر بادشاہ کے واسطے ایک مکان بنا ہوا ہے جسمیں اس کی شان ورتبہ کے موافق کمرے ہیں۔ دیگر مسافر بھی وہیں اترتے ہیں اس طرح

میں مسافر کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ اپنے ساتھ زاد راہ لے"

دہلی سے ملتان تک کے سفر کے حال میں لکھا ہے "کہ دہلی سے ملتان تک پچاس دن کا سفر ہے مگر ڈاک کا انتظام ایسا ہے کہ پانچ روز میں خط پہنچ جاتا ہے۔ ہرکارے اور سوار ڈاک پہنچاتے ہیں۔ میل کے ایک ایک ثلث پر گاؤں آباد ہیں اور گاؤں کے باہر ہرکاروں کے بیٹھنے کی بُرجیاں بنی ہوئی ہیں"

فیروز شاہ تغلق کا زمانہ رفاہ عام کے کاموں میں اُس عہد تک کے سب بادشاہوں کے زمانہ سے ممتاز ہے۔ اُس نے اپنے عہد میں حسب ذیل رفاہ عام کے کام کئے۔ نہریں اور تالاب۔ مسجدیں۔ مدرسے۔ خانقاہیں۔ کوشک۔ شفاخانے۔ مقبرے۔ حمام کنوے۔ پل۔ باغات بے شمار ان کے اخراجات کے واسطے وقف نامہ تحریر کئے۔ فیروز شاہ تغلق کے کام رفاہ عام

۷۵۵ھ میں دہلی کے قریب اپنے تعمیر کئے ہوئے شہر فیروز آباد میں جمنا سے ایک نہر کھدوائی ۷۵۶ھ میں دریائے ستلج سے جھجر تک ۴۸ کوس کی ایک نہر اور کھدوائی ۷۵۷ھ میں کوہ مندوی اور سرمور کے پاس سے جمنا کی ایک نہر نکالی اور سات نہریں اور اس میں ملاکر ہانسی کو اور وہاں سے راس کو لیگیا اور وہاں ایک قلعہ حصار فیروزہ کے نام سے تعمیر کرایا۔ اور اس کے نیچے ایک بڑا حوض بنوایا جس میں نہر سے پانی آتا تھا۔ اور ایک نہر گھگر سے نکالکر سرستی کے قلعہ کے نیچے تک اور پھر وہاں سے ہرنی کھیڑہ تک پہنچائی۔ اور ایک نہر جمنا سے نکالکر فیروز آباد کے تالاب میں ڈالی۔ نہریں

۷۶۲ھ میں بادشاہ نہر سلیمہ کے ملاحظہ کے واسطے گئے۔ یہ نہر ایک ریتی کے ٹیلے میں سے نکلکر ستلج میں گرتی تھی اسی کو سرستی بھی کہتے تھے۔ اور اس کے برابر ایک دوسری نہر جاری تھی۔ ایک بہت بڑا پشتہ ان دونوں نہروں کے درمیان میں حائل تھا اگر وہ کھد جاتا

تو سرستی کا پانی دوسری نہر میں ہوکر سہرند اور منصور پور اور سامانہ کی طرف جاری ہو جاتا۔ بادشاہ نے اس موقع کو ملاحظہ کر کے حکم دیا کہ پچاس ہزار بیلدار جمع ہو کر اس ٹیلے کو کھود ڈالیں۔ کام شروع ہو گیا لیکن بعد کو ایسے واقعات پیش آئے کہ یہ کام اختتام کو نہ پہنچا ان نہروں سے تمام ویران زمینیں آباد ہو گئیں۔ فیروز شاہ نے بہت سے نئے دیہات بھی آباد کئے۔ اس کے وقت میں کاشتکاروں کی حالت بہت اچھی تھی۔ غلہ مال و اسباب اور پوشش سب کے گھروں میں بھرے ہوئے تھے ہر ایک گھر میں سونا چاندی افراط سے موجود تھا غرضکہ تمام رعیت شاد اور چاروں طرف کا ملک شاداب اور سوداگروں سے آباد تھا۔

طاس گھڑیال

فیروز شاہ نے بہت سی عجیب چیزیں ایجاد کی تھیں۔ ان میں ایک طاس گھڑیال تھا جس کی آواز سے معلوم ہوتا تھا۔

ہر ساعتے کہ بر در شہ طاس میز نند　　نقصان عمرے شود آں یاد می دہند

نمازوں کے اوقات۔ روزہ کھولنے کا وقت۔ سایہ کا حال۔ دن رات کے گھٹنے بڑھنے کا حال اس سے معلوم ہوتا تھا۔ فیروز آباد میں یہ گھڑیال لگایا گیا تھا اور شب روز اس کے دیکھنے کے لئے خلایق کا ہجوم رہتا تھا۔

شیر شاہ کی سڑکیں

شیر شاہ سور نے اپنے مختصر عہد سلطنت میں جس قدر رفاہ عام کے کام انجام دئے اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ اس نے اپنے ممالک محروسہ میں حسب ذیل چار بڑی سڑکیں بنوائیں۔

(۱) قلعہ رہتاس گڈہ (پنجاب) سے سنار گاؤں (بنگال) تک چار مہینے کا راستہ تھا

(۲) آگرہ سے برہان پور دکن تک

(۳) آگرہ سے جودھپور اور چیتوڑ تک
(۴) لاہور سے ملتان تک

ان سڑکوں پر دو طرفہ میوہ دار درخت سائے کے لئے لگائے کوس کوس پر ایک ایک سرا۔ ایک ایک مسجد ایک ایک کنواں بنوایا۔ ہر مسجد میں ایک موذن ایک امام کو تعینات کیا۔ مسافروں کے کھانے پکانے اور خدمت کے لئے ایک ہندو ایک مسلمان ملازم کو ہر سرا میں متعین کیا۔ سب سڑکوں پر سترہ سو سرائیں تعمیر ہوئیں۔ ہر سرائے میں ہندو مسلمانوں کے رہنے کے واسطے جدا جدا مکان تیار ہوئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ ہر سرائے میں جو مسافر آکر اترتا حسب حیثیت کھانے پینے کا سامان اور مویشی کے واسطے دانہ چارہ مفت سرکار شاہی سے پاتا تھا۔ ہر سرائے میں ایک جمعدار اور چند چوکیدار مسافروں کے اسباب کی حفاظت کے واسطے متعین تھے انتظام کا یہ عالم تھا کہ ایک بڑھیا اشرفیوں کا طباق ہاتھ میں لئے ہوئے جہاں چاہے چلی جاوے۔ چور یا لٹیرے کی مجال نہ تھی کہ آنکھ اوٹھا کر دیکھ سکے۔ شیر شاہ نے ان سراؤں کے اخراجات کے واسطے بہت سے دیہات وقف کر دئے تھے۔

سلیم شاہ کی سرگرمیاں

شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ تخت پر بیٹھا اس نے باپ کے وقت کے تمام رفاہ عام کے کاموں کو جاری رکھا اور نہایت دریادلی سے خود بھی ان میں اضافہ کیا۔ چنانچہ اس نے شیر شاہ کے عہد کی دو سراؤں کے درمیان میں ایک ایک سرائے اور تعمیر کرائی۔ اور شیر شاہی سراؤں کے مطابق ان میں بھی مسافروں کی ہر قسم کی آسائش کا انتظام کیا۔

سلاطین مغلیہ کے عہد کے رفاہ عام کے کام

اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں۔ عالمگیر۔ کے عہد میں سیکڑوں ہزاروں سڑکیں۔ نہریں۔ پل

سرائیں تعمیر ہوئیں کہ جن کی آج مکمل فہرست پیش کرنا ناممکنات سے ہے۔ ڈاکٹر برنیر صاحب اپنے سفرنامہ میں بنگالے کے حال میں لکھتے ہیں "کہ اس ملک کی خوشنمائی کو بیان کرتے ہوئے اس بات کو بھی ظاہر کر دینا چاہیئے کہ اس ملک میں جو دریائے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل کے ہے بیشمار نہریں ہیں جو دریائے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اس لئے کاٹی گئی ہیں کہ تجارت کے مال کے لیجانے میں آسانی ہو اور گنگا کا پانی جس کو ہندوستانی تمام پانیوں سے اچھا سمجھتے ہیں مختلف مقامات میں پہنچ سکے ان نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گاؤں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اور چاول اور نیشکر۔ اور غلہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں"

اکبر نے پنجاب میں سلطان پور کے دریا پر بیس ہزار روپیہ کے صرف سے ابوالفضل کے اہتمام سے ایک پل بنوایا تھا۔ ۱۳ سنہ جلوس میں جب جہانگیر کا گذر اس پل سے ہوا تو معز الملک جاگیردار نکودر کو حکم دیا کہ پل کے قریب ایک خوبصورت عمارت اور باغ تعمیر کرائے تاکہ آنے جانے والے وہاں کی سیر سے محفوظ ہوں۔

جہانگیر کو رفاہ عام کے کاموں سے طبعی لگاؤ تھا۔ اس نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے جو بارہ احکام صادر کئے ان میں زیادہ تر رفاہ عام کے لئے ہیں۔ ایک حکم سراؤں اور کنوؤں کی تعمیر کے متعلق ہے۔ ایک حکم لاوارثی مال کے نسبت ہے کہ اس کی آمدنی سے نئی مسجدیں۔ سرائیں۔ تالاب۔ کنوئیں۔ پل بنائے جاویں اور پرانوں کی مرمت ہوتی رہے۔

۱۴ سنہ جلوس میں جہانگیر نے پانچ ہزار روپیہ کے صرف سے بابا حسن ابدال میں ایک

پل تعمیر کرایا۔ سنہ ۱۲ جلوس میں جبکہ گجرات کے دورہ پر تھا۔ ایک دن موضع باریچہ میں مقام تھا۔ راستہ میں دیکھا کہ ڈھائی تین تین گز کی دیواریں اکثر مقام پر سڑک بنی ہوئی ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حمالوں کے آرام کے واسطے لوگوں نے اس قسم کی دیواریں بنادی ہیں جب حمال تھک جاتے ہیں اپنا بوجھ ان دیواروں پر رکھکر آرام لے لیتے ہیں جہانگیر کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اسی وقت حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں میں سرکار شاہی کے صرف سے حمالوں کے آرام کے واسطے اسی قسم کی دیواریں بنادی جائیں۔[۵۱]

سنہ ۱۳ جلوس میں جہانگیر نے گجرات سے واپسی کے وقت دریائے مہی پر خواجہ ابوالحسن میر بخشی کے اہتمام سے ایک پختہ پل تعمیر کرایا۔ جو طول میں ۱۴۰ گز اور عرض میں ۴ گز تھا۔ بادشاہ نے پل کے استحکام کے امتحان کی غرض سے اول سب سے بڑی توپی ہیکل ہاتھی گن سمندر کو معہ تین ہتھنیوں کے اس کے اوپر سے عبور کرایا۔ ان چاروں نے اسکے اوپر سے عبور کیا اور پل اپنی جگہ سے نہ ہلا۔[۵۲]

سنہ ۱۴ جلوس میں جہانگیر نے آگرہ سے لاہور تک ایک جدید سڑک بنوائی۔ اس سڑک پر ایک ایک کوس پر منارے اور تین تین کوس پر کنوئیں بنوائے۔ سڑک کے دونوں طرف میوہ دار درخت سائے کے واسطے لگوائے۔ اس کے اکثر منارے اب تک موجود ہیں۔ ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں اس سڑک کی بابتہ لکھتے ہیں کہ چند خوبصورت کارواں سرائیں جو ایک ایک منزل کے فاصلے پر بنی ہوئی ہیں قابل الذکر مقام ہیں اور اس راستہ کے دونوں طرف سایہ کے لئے دوہری قطاریں درخت لگے ہوئے ہیں

[۵۱] توزک جہانگیری صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ علیگڑھ [۵۲] توزک جہانگیری صفحہ ۲۴۶

اور ایک ایک کوس پر رہنمائی کی خاطر پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے لئے پختہ کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔" [۵۱]

جس طرح کہ اس سڑک پر درخت لگائے گئے اسی طرح آگرہ سے دریائے اٹک اور آگرہ سے بنگال تک تمام سڑکوں پر دو طرفہ میوہ دار درخت جہانگیر کے حکم سے نصب کئے گئے تھے۔

۴۔ قلعہ سلیم گڈھ کا پل اور دہلی کا بارہ پلہ بھی جہانگیر کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔

دہلی کی نہر بہشت

سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ۶۹۱ھ/۱۲۹۱ء میں پرگنہ خضر آباد میں دریا سے کاٹ کر ایک نہر تیار کرائی جو تیس کوس یعنی پرگنہ سفیدوں تک جہاں بادشاہ کی شکارگاہ تھی گئی تھی۔ اس کے بعد کسی بادشاہ کو اس کا خیال نہ رہا اور یہ بند ہو گئی۔

۹۶۹ھ/۱۵۶۱ء میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اس کو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر تک لا کر نہر شہاب اس کا نام رکھدیا۔ ایک مدت بعد پھر یہ بند ہو گئی۔ ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۸ء میں شاہجہاں نے سفیدوں تک پھر صاف کرائی اور وہاں سے شاہجہاں آباد تک نئی کھدوائی۔ اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں بھی جاری کرادی اور نہر بہشت نام رکھدیا۔ ۱۸۲۰ء میں گورنمنٹ نے جابجا سے اس کی مرمت کر کے از سر نو جاری کیا۔ چنانچہ یہ نہر اب تک جاری اور نہر جمن شرقی کے نام سے معروف ہے۔

اورنگ آباد میں نل

شہنشاہ عالمگیر نے تمام شہر اورنگ آباد میں نل لگا کر آبرسانی کا سررشتہ قایم کیا تھا۔ مختلف مقامات پر بڑے بڑے حوض اور تالاب بنوائے تھے۔ یہ نل اب تک موجود بتلائے جاتے ہیں۔ اور ان سے تمام شہر میں اس وقت تک پانی پہنچتا ہے۔

سلاطین مغلیہ کے عہد میں امرا اور اعیان دولت بلکہ خواتین نے بھی بہت سی رفاہ عام

۵۱۔ ترجمہ اردو سفرنامہ ڈاکٹر برنیر جلد دوم صفحہ ۱۰۲۔

کی عمارتیں تعمیر کرائیں چنانچہ اکبر کے عہد میں خانخاناں منعم خان نے ۹۷۵ھ میں دریائے گومتی پر بمقام جونپور وہ عالیشان اور مضبوط پل باندھا جو باوجود ساڑھے تین سو برس گزر جانے کے اب تک جوں کا توں موجود ہے۔ اور اس کی طرز عمارت اور تراش کی خوبیاں ہندوستان کے قدیم فن تعمیر کی شان و شکوہ کو بڑھاتی ہیں۔ اور سیاحان عالم سے داد لیتی ہیں یہ پل خانخاناں کے غلام میاں فہیم کے اہتمام سے بنا تھا پل مذکور کے جانب مشرق حمام کے پاس ایک محراب پر یہ تاریخ کندہ ہے۔ پل جونپور

خانخاناں، خان منعم اقتدار	بستہ ایں پل را بہ توفیق کریم
نام او منعم ازاں آمد کہ ہست	بر خلایق ہم کریم و ہم رحیم
از صراط المستقیمش ظاہر ست	شاہ راہے سوئے جنات النعیم
رہ بتاریخش بری گر افگنی	لفظ بدرا از صراط مستقیم

انہیں خانخاناں نے بادشاہ کے حکم سے اس پل کی تعمیر سے پہلے پل سے دکن کی جانب میں نہایت مستحکم اور عالیشان پانچ محراب کا ایک پل بنایا تھا اس کی تاریخ بھی کسی شخص نے کہی تھی اب عبور زمانہ سے حروف مٹ گئے ہیں۔ وہ تاریخ یہ ہے۔

مقامے ساخت سلطان السلاطین	سرشتہ آب خاکش از مسرت
بہ عشرت کامراں بادا کہ آمد	در او قبلۂ ارباب حاجت
الہی تا قیامت باد معمور	ازیں بانی بنائے عمر و دولت
چو از پیر خرد تاریخ آں جست	حکیم پیر خرد گفتا بہ عشرت

اسی طرح اکبر کے عہد ۹۷۶ھ میں ملا نور الدین نے نہر شیخونی کھدوائی تھی۔

عالمگیر کے عہد میں نواب کمال خاں بہاری نے جو جالور (اب ریاست جودھپور میں

نوٹ۔ جونپور کے دیگر پلوں کا حال ضمیمہ میں دیکھو۔

سے ہے کہ ناظم تھے سخاوت وفیاضی اور رفاہ عام کے کاموں میں ایسا نام پیدا کیا کہ آج تک جالور، سانچور، اور بھین مال کے بچے بچے کی زبان پر اُن کا نام نیکنامی کے ساتھ چڑھا ہوا ہے۔ اُن کے نام کی زیادہ تر شہرت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے سانگی نام ندی سے جو قصبہ بھین مال سے چار پانچ کوس دکن کی جانب بہتی ہے ایک نہر کھدوا کر رانی سر تالاب میں جو قصبہ مذکور کے پاس بہت بڑا تالاب ہے ڈال دی تھی جس سے رعایا کو بہت آرام ہوگیا۔ نواب صاحب موصوف کے اس کار خیر کی تعریف میں یہ ہندی دوہا ابتک زبان زد خاص وعام ہے۔ دوہا

سانگی گنگا سار کی   بھل آنی بھین مال

کے آوے کرتار سے   کے لایو خان کمال

یعنی سانگی جو مثل گنگا کے ہے بھین مال میں خوب لائی گئی۔ یہ یا تو خدا سے آتی یا کمال خاں لایا۔

سرائے نور محل

نورجہاں بیگم نے مسافروں کے آرام کیواسطے کئی بڑی بڑی سرائیں بنوائی تھیں جنمیں سے دو بہت مشہور ہیں ایک قصبہ نور محل (پنجاب) کی۔ دوسری موضع سرائے نور محل (تحصیل اعتماد پور ضلع آگرہ) کی قصبہ نور محل کی سرائے سنہ ۱۵ جلوس جہانگیری میں بنکر تیار ہوئی اسکے قریب ایک خوشنما باغ بھی لگایا گیا تھا۔ موضع سرائے نور محل کی سرائے کے پاس ایک پختہ تالاب بھی تھا جسکے نشانات ابتک موجود ہیں۔

جہاں آرا بیگم کی کارواں سرائے دہلی

جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں نے دہلی میں ایک نہایت عالیشان کارواں سرا بنوائی تھی۔ ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "کہ جامع مسجد دہلی کے بعد دوسری قابل الذکر عمارت وہ کارواں سرا ہے جو شاہجہاں کی بڑی بیٹی

معروف بیگم صاحبہ نے بنوائی تھی۔ یہ ہمارے پلیس آئل کی طرح ایک بڑی اور محراب دار مربع عمارت ہے جس میں برابر برابر کوٹھریاں اور ان کے آگے علیحدہ علیحدہ برآمدے ہیں یہ دو منزلی ہے اور جیسے علیحدہ علیحدہ کوٹھریاں اور برآمدے نیچے ہیں ویسے ہی اوپر کی منزل میں بھی ہیں۔ ایرانی۔ تورانی اور پردیسی دولتمند تاجر حفاظت کی جگہ سمجھکر اس میں آنکر ٹھیرتے ہیں۔ کاش پیرس (فرانس) میں بھی دس بیس جگہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پردیسی آدمیوں کو وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور معقول مکان کے حاصل کرنے میں اس قدر حیرانی نہوتی جسقدر کہ اب ہوتی ہے"

شاہان مغلیہ کے عہد کی رفاہِ عام عمارتوں کا اندازہ اس مختصر بیان سے ہرگز نہیں ہوسکتا دہلی۔ آگرہ اور ملک کے مختلف حصوں میں ہزاروں سرائیں۔ کنوئیں۔ باولیاں۔ پل تالاب وغیرہ کے نشانات اب تک موجود ہیں لیکن چونکہ ان کے حالات خاص طور سے کبھی قلمبند نہیں کئے گئے لہذا آج ہم بھی اِن کی صحیح تاریخی حالات تحریر کرنے سے معذور ہیں۔

بانیان صوبہ مالوہ کی رفاہ عام کی عمارتیں

خلجی فرمانروایان صوبہ مالوہ نے اپنے ممالک محروسہ میں بہت سی نہریں۔ سرائیں۔ تالاب۔ باولیاں وغیرہ بنوائی تھیں۔ صرف شہر مانڈو میں جو اُن کا دارالحکومت تھا اور اب ویران پڑا ہے سو تالاب سے زیادہ اسوقت تک موجود ہیں۔ زمانہ حال کا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ پختہ تالاب پچاس لاکھ روپئے سے زیادہ لاگت میں تیار ہوے ہونگے بہت سی سراؤں۔ باولیوں وغیرہ کے نشانات بھی اس وقت تک موجود ہیں۔ منجملہ ان کے ایک چمپا باؤلی ہے جس کے چاروں طرف زمین میں سہ منزلہ اور چار منزلہ اتنی وسیع عمارت زیرِ زمین ہے کہ اُس میں تین چار ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس

باولی کی عمارت ایسی خوبصورت ہے کہ شاید دنیا میں کسی جگہ ایسی خوبصورت باولی نہ ہوگی۔ سراؤں میں ایک نگی محل سرا بنی ہوئی تھی جس میں صرف مکہ معظمہ کے مسافر اُترتے تھے۔ اس کا صرف ایک دالان باقی رہ گیا ہے۔ اعظم ہمایوں کی مسجد کے پاس بھی ایک بہت بڑی پختہ سرائے بنی ہوئی ہے اسی کے پاس ایک عظیم الشان امام باڑہ تھا جو منہدم ہوگیا صرف سبیل خانہ کا دالان باقی رہ گیا ہے اور اس پر یہ عبارت کندہ ہے "دم آب بجور یاد حسین" اور تھوڑی دور کے بعد پہاڑ کے نشیب میں ایک سنگین اور نہایت پرفضا مکان ہے اس میں جا بجا سے پانی جھرتا ہے اور حوضوں میں فراہم ہوتا ہے۔ اور اس پر یہ بیت کندہ ہے

تواں کردن تمامی عمر را مصروف آب و گل	کہ شاید یکدمے صاحب دلے اینجا کند منزل

اس بیت کے نیچے "مظفر خاں ۹۸۲ھ" کندہ ہے۔ اور ایک سمت پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے "سنہ ۴۴ موافق سنہ ۱۰۰۸ھ اعلیٰ حضرت جہاں پناہ فلک بارگاہ ظل اللہ اکبر شاہ متوجہ فتح دکن بودند باینجا عبور اتفاد"

تا کے گوئی بچرخ شد خانۂ ما	خندند ہمہ او بر دل دیوانۂ ما
زافسانۂ دیگراں بیا عبرت گیر	زاں پیش کہ بشنوند افسانۂ ما

اور ایک جانب یہ عبارت کندہ ہے "در سنہ ۱۰۰۹ھ حضرت اکبر شاہ فتح دکن و خاندیس نمودہ مراجعت فرمود"

دیدم جغدے نشستہ در وقت پگاہ	بر کنگرۂ مقبرۂ نوشیرواں شاہ
فریاد کناں ز روے عبرت میگفت	کو آں ہمہ حشمت و منال واں ہمہ جاہ

محمد عادل شاہ والئی بیجاپور نے سنہ ۱۰۶۴ھ میں افضل خاں کے اہتمام سے بیگم تالاب

محمد عادل شاہ والئی بیجاپور

تالاب سے ایک نہر کھدوائی تھی جو قلعہ کے اندر تک گئی اور جس سے بیجاپور میں بہت رونق ہوگئی۔

سلطان زین العابدین والئی کشمیر نے اپنے عہد سلطنت میں ملک کشمیر میں اس قدر نہریں تیار کرائیں کہ کوئی زمین بے آب و زراعت باقی نہ رہی۔ اس کے علاوہ تمام دریاؤں اور نہروں پر پُل تعمیر کرائے[۵۱]۔ کشمیر کی نہریں اور پل

سلطان قطب الدین بن محمد شاہ گجراتی نے احمد آباد کے پاس موضع کاکریہ میں ایک عظیم الشان تالاب پختہ بنوایا تھا۔ درمیان تالاب کے ایک نفیس عمارت اور خوشنما باغ واقع تھا۔ تالاب کے چاروں طرف عمارات اور باغ میں جانے کے واسطے پُل بنائے گئے تھے۔ سنہ ۱۲ جلوس میں جب جہانگیر گجرات تشریف لے گئے۔ صفی خاں بخشی گجرات نے اس کی مرمت کرائی تھی اور کچھ جدید عمارت بھی بنوائی تھی۔ اور جہانگیر نے تالاب کے کنارے مقام کر کے اس کی سیر کی تھی۔ تال کاکریہ

نواب محمد خاں بنگش نے ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء میں جب شہر فرخ آباد فرخ سیر کے نام پر آباد کیا تو منجملہ دیگر عمارات کے سات دروازوں پر سات سرائیں بنوائیں تاکہ جس طرف سے مسافر آوے عمدہ آرام کی جگہ پاوے۔ رسُو دروازے کے قریب بی بی صاحبہ زوجہ نواب محمد خاں نے ایک عظیم الشان سرائے تعمیر کرائی۔ مدار دروازے پر نواب مظفر جنگ نے ایک سرائے بنوائی تھی۔ فرخ آباد کی سرائیں

نواب محمد خاں کے غلام یاقوت خاں نے جو خان بہادر کے خطاب سے موصوف تھا ۱۱۵۲ھ میں اپنے آباد کئے ہوئے قصبہ خداگنج (پرگنہ بھوجپور ضلع فرخ آباد) میں ایک خداگنج اور یاقوت گنج کی سرائیں

۵۱۔ تاریخ فرشتہ۔

بہت بڑی پختہ سراے بنوائی تھی۔ جس میں ایک مسجد بھی واقع تھی۔ اسی طرح اپنے دوسرے آباد کیے ہوے قصبہ یاقوت گنج (پرگنہ بھوجپور ضلع فرخ آباد) میں بھی ایک پختہ سراے تعمیر کرائی تھی۔

داخیر خان کا پل اور باولی

نواب احمد خاں والئی فرخ آباد کے چیلے اعظم جنگ محمد دائم خاں بہادر نے وسط شہر فرخ آباد میں ایک پختہ پل اور مئو دروازہ کے پھاٹک پر ایک باولی معہ زینہ کی بنوائی تھی مسٹر ولیم۔ آروِن صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ یہ پل پل پختہ کے نام سے مشہور ہے اور باوجود کثیر آمد ورفت اور تجارت کے سنتر اسّی برس تک باقی رہا۔ باولی بمرمت ہے مگر ہنوز موجود ہے۔

حکیم مہدی علی خاں کے پل اور سرائیں

نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخاں نے جو اُمراے سرکار اودہ سے تھے بہت سے پل اور سرائیں تعمیر کرائیں اور اُن کی مرمت کے واسطے زمینیں وقف کی تھیں۔ مجھے مقامی تحقیقات سے اُن کے حسب ذیل پلوں کا پتہ معلوم ہوا ہے۔ ہر پل کے پاس پختہ سراے تعمیر کی گئی تھی۔

شاہجہاں پور میں دریاے کھنوت کا پل۔ قنوج سے تین چار کوس پر کالی ندی کا پل۔ خاص مین پوری میں عیسلی ندی کا پل قصبہ بیسور ضلع مین پوری کے قریب کالی ندی کا پل۔

ان کے علاوہ اُن کے بنائے ہوے اور بھی پل بتلاے جاتے ہیں مگر مجھے اُن کا پتہ نہیں معلوم ہو سکا شاہجہاں پور کا پل اور سراے میں نے خود دیکھی ہے۔ یہ اب میونسپلٹی کے متعلق ہے۔ اور سراے کے دروازہ پر انگریزی اور اردو میں حسب ذیل کتبہ لگا ہوا ہے۔

یہ سرائے و پل پختہ تعمیر کردہ عرصہ پچاس برس نواب منتظم الدولہ بہادر حکیم مہدی علیخاں جس کو نواب مرزائی بیگم صاحبہ وارثہ اُن کی نے معہ آراضی و دوکانات پیش سرائے اور وجہ مصارف بوسیلہ صرف ہمت ورائے مسٹر رابرٹ جارج کرنصاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع بہ طیب خاطر میونسپلٹی شہر شاہجہان پور کو واقع تاریخ ۱۴ جنوری ۱۸۷۴ء ہبہ کیا بغرض بقائے نام نواب ممدوح بہ قایمی سرائے و پل مذکور اور حیثیت موجودہ کے

باب چہارم

لنگر خانے خیرات خانے

⟡ * ⟡

ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بہت سے لنگر خانے اور خیرات خانے جاری تھے جن سے روزانہ غربا اور مساکین کو کچا پکا کھانا ملا کرتا تھا لیکن چونکہ مؤرخین ہند نے اس قسم کے واقعات کو ایک معمولی بات سمجھکر قلم انداز کر دیا ہے لہذا ہم اِن کے مفصل اور عہدوار حالات بیان کرنے سے عاجز ہیں اور جو کچھ پتہ چلتا ہے وہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

ابتدا میں خانقاہوں اور بڑی بڑی مسجدوں میں لنگر خانے جاری ہوا کرتے تھے۔ شیر شاہ سور نے لنگر خانوں کے واسطے علیحدہ عمارتیں تعمیر کرا کر لنگر خانے جاری کئے ان لنگر خانوں میں محتاجوں کو نہایت لذیذ کھانے ملتے تھے۔ کل لنگر خانوں کا خرچ پانچسو اشرفی روز کا تھا[1]۔ ان کے علاوہ اندھے۔ لنگڑے۔ لولے ضعیف۔ مریض اور بیوہ

[1] تاریخ ہند مولفہ شمس العلماء ذکاء اللہ خان۔

عورتوں کے جو لنگر خانوں میں نہیں جا سکتے تھے نقد وظیفے مقرر تھے اور وہ اسی مقام پر جہاں وہ رہتے تھے اُنہیں ملا کرتے تھے۔

سلیم شاہ سوری کے لنگر خانے

سلیم شاہ سور نے شیر شاہ کے عہد کے سب خیراتی اور رفاہ عام کے کاموں کو بدستور جاری رکھا۔ اور اپنی اور باپ کے عہد کی سراؤں میں ایک ایک خیرات خانہ اور جاری کیا۔ جس سے فقیروں اور محتاجوں کو ہر روز اتنا کھانا ملا کرتا تھا کہ جو پورے طور سے اُن کے واسطے کافی ہوتا تھا شیر شاہ کے عہد سے تمام سراؤں میں ہندو مسلمان۔ امیر۔ غریب سب مسافروں کو کچا پکا کھانا سرکار شاہی سے ملا کرتا تھا وہ ان خیرات خانوں کے علاوہ تھا۔ اُسے بھی سلیم شاہ نے بدستور جاری رکھا۔

خیر پورہ و دہرم پورہ

۹۹۱ھ میں شہنشاہ اکبر نے شہروں اور منزلوں میں دو دو مکان تعمیر کرائے۔ جہاں ہندو اور مسلمان فقیروں کے واسطے لنگر خانے جاری کئے گئے۔ مسلمانوں کے مکان کا نام خیر پورہ اور ہندوؤں کے مکان کا نام دہرم پورہ رکھا گیا۔ اس کا کل اہتمام ابو الفضل کے سپرد تھا۔

جوگی پورہ

جب اکبر آباد کے دہرم پورہ میں ہندو جوگی کثرت سے آنے لگے تو اکبر نے اُن کے واسطے ایک علیحدہ مکان بنوا کر اُس کا نام جوگی پورہ رکھا۔

جہانگیر کے لنگر خانے

جہانگیر نے ۶ سنہ جلوس میں ۱۷۔ ذیقعد ۱۰۲۰ھ کو حکم دیا کہ ممالک محروسہ کے تمام بڑے بڑے شہروں مثل احمد آباد۔ الہ آباد۔ لاہور۔ اگرہ۔ دہلی۔ وغیرہ میں لنگر خانے جاری کئے جائیں۔ جن مقامات پر پہلے سے لنگر خانے جاری تھے چوبیس مقامات پر اور جاری کئے گئے۔

۱؎ تاریخ ہند مؤلفہ شمس العلماء ذکاء اللہ خان۔ ۲؎ توزک جہانگیری صفحہ ۹۹ تا ۱۰۰۔

گجرات و دکن میں لنگر خانے

شاہجہاں کے عہد میں سنہ ۱۰۴۰ھ میں دکن اور گجرات میں بوجہ بارش نہ ہونے کے سخت قحط پڑا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ علاوہ معمولی لنگر خانوں کے برہان پور۔ احمد آباد۔ سورت وغیرہ میں اور لنگر خانے جاری کئے جائیں اور ان میں اس قدر کھانا تقسیم ہوا کرے کہ سب بھوکوں کا پیٹ بھر جاوے۔ جو شریف لوگ لنگر خانوں میں جانا پسند نہ کرتے تھے ان میں مختلف ایام میں ایک لاکھ روپیہ برہان پور میں اور پچاس ہزار روپیہ احمد آباد میں جہاں قحط زیادہ تھا تقسیم کیا گیا۔ ستر لاکھ روپیہ محالات خالصہ کی مالگذاری کا معاف کیا گیا جو چونکہ ممالک محروسہ کے محالات خالصہ کی مالگذاری کا گیارہواں حصہ تھا۔

پنجاب میں لنگر خانے

سنہ ۱۰۵۶ھ میں بارش کی کمی سے پنجاب میں قحط پڑ گیا۔ شاہجہاں کے حکم سے پنجاب کے مختلف مقامات میں دس لنگر خانہ جاری ہوئے۔ ہر ایک سے دو سو روپیہ روزانہ کی خوراک مسلمانوں کو پکی پکائی اور ہندوؤں کو بذریعہ جنس خام تقسیم ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ پچاس ہزار روپیہ ان سفید پوش اور ضعیفوں میں تقسیم کیا گیا۔ جو لنگر خانوں میں نہیں جا سکتے تھے۔

سلاطین مغلیہ کے عہد کے تمام لنگر خانے محمد شاہ کے عہد تک برابر جاری رہے۔ اکثر امرا نے اپنی طرف سے لنگر خانے جاری کر رکھے تھے۔ آگرہ کا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ وہاں ہر کوچہ میں لنگر خانے جاری تھے اور محتاجوں اور غریبوں کو ان سے عام فیض پہنچتا تھا۔

اس موقع پر اگر سلاطین مغلیہ کے مشہور تاجداروں اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں۔ عالمگیر کی

ف ۱ - بادشاہ نامہ ملا عبدالحمید - جلد اول صفحہ ۳۶۲-۳۶۴ ف ۲ - حیات صالح صفحہ ۴۲-۴۳

ف ۳ - عالمگیر نامہ صفحہ ۱۷ و منتخب اللباب جلد دوم صفحہ ۱۲۴-۱۲۵ ف ۴ - تاریخ آگرہ مولفہ سیلچند

رسم تلادان کی خیرات

کی خیرات کا مختصر حال تحریر کیا جاوے تو غالباً بے موقع نہ خیال کیا جائیگا۔

اکبر نے ہندوں کی تالیف قلوب کے لئے یہاں اُن کی سیکڑوں رسمیں اختیار کر لی تھیں انہیں میں ایک تلادان کی رسم تھی یعنی سال شمسی اور قمری کے حساب سے بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سونے۔ چاندی۔ ابریشم۔ خوشبو۔ لوہا۔ تانبا۔ جست توتیا۔ گھی۔ دودھ۔ چاول۔ ست نجا کے ساتھ سونے کی ترازو میں تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا چاندی اور دیگر اشیا برہمنوں اور عام فقیروں غریبوں کو بانٹ دیا جاتا تھا۔ جہانگیر نے اسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ روپیہ کے قریب لکھا ہے۔[1]

اس رسم کو خاندان مغلیہ کے سب فرمانروا بجالاتے رہے۔ شاہجہاں نے اس میں اس قدر اور زیادتی کی کہ نوروز شمسی کے موقع پر ایک مرتبہ سونے اور دوسری مرتبہ چاندی اور دس مرتبہ دیگر اجناس سے اور نوروز قمری کے موقع پر پہلی مرتبہ سونے اور دوسری مرتبہ چاندی اور چھ مرتبہ دیگر اجناس سے وزن کراکر حسب دستور سابق کُل سونا چاندی اور دیگر اجناس مستحقین کو تقسیم کرادیتا تھا۔[2]

انوپ تلاؤ کی خیرات

اکبر نے مقررہ خیرات کے علاوہ ۹۸۶ھ میں فتحپور سیکری میں انوپ تلاؤ کو ہر قسم کے سکوں سے لبریز کرا کر اول ایک اشرفی۔ ایک روپیہ۔ ایک پیسا۔ آپ اُٹھایا۔ اسیطرح امرائے دربار کو عنایت کیا۔ پھر مٹھیاں بھر بھر کر غریبوں اور محتاجوں کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ تین برس میں اسی طرح لٹا کر حوض خالی کر دیا۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں لکھا ہے کہ ۳۶×۳۶ طول عرض اور ۴½ گز ا ؎ حوض کا عمق تھا اور اُس میں ۳۴ کروڑ ۴۸ لاکھ ۴۶ ہزار دام جس کے ۱۶ لاکھ ۷۹ ہزار ۴ سو روپئے ہوتے ہیں سمائے تھے۔ ضرورت

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۱۱۲ [2] بادشاہنامہ ملا عبدالحمید لاہوری صفحہ ۲۴۳-۲۴۴ جلد اول۔

اور احتیاج کے پیاسے مدتوں تک آتے اور دلوں کی پیاس بجھاتے رہے۔" صاحب دربار اکبری لکھتے ہیں کہ میں نے ایک پرانی تصویر دیکھی۔ اکبر اس تالاب کے کنارے پر بیٹھے ہیں۔ بیربل وغیرہ چند امرا حاضر ہیں۔ کچھ مرد کچھ عورتیں۔ کچھ لڑکیاں پنہاریوں کی طرح اسمیں سے گھڑے بھر بھر کر لئے جاتی ہیں۔[۵۱]

جہانگیر کی خیرات

جہانگیر کو خیرات کا بہت شوق تھا۔ سنہ جلوس میں عید کے دن میر جمال الدین حسین انجو میراں صدر جہاں۔ میر محمد رضائی سبزواری۔ کو ایک ایک لاکھ دام اور دوست محمد شاہ کو کئی لاکھ دام دیئے کہ فقرا اور ارباب احتیاج میں تقسیم کریں اور پانچ ہزار روپیہ شیخ محمد حسین جامی کی خانقاہ کے فقیروں کے واسطے روانہ کئے اور حکم دیا کہ ہر روز ایک منصب وار پچاس ہزار دام (۴۰ دام = ایک روپیہ کے) فقرا اور مساکین کو تقسیم کیا کرے۔[۵۲]

جہانگیر نے قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ رات کے وقت فقرا اور ارباب احتیاج اس کے روبرو پیش ہوا کریں۔ ان لوگوں کو حسب حیثیت وہ خود نقد خیرات اور جاگیر مرحمت کیا کرتا تھا۔ سنہ ۹ جلوس کے خاتمہ پر لکھتا ہے کہ اس سال پچپن ہزار روپئے نقد۔ ایک لاکھ نوے ہزار بیگھہ زمین چودہ گاؤں فقرا و مساکین کو میں نے اپنے ہاتھ سے مرحمت کئے۔[۵۳]

سنہ ۱۲ جلوس میں جب گجرات کے دورہ پر تھا شیخ اسد اللہ نبیرہ شیخ وجیہ الدین۔ اور شیخ احمد صدر اور اکثر مشایخ اور امرا کو اس کام پر متعین کیا تھا کہ فقرا اور ارباب استحقاق کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ملازمت میں لائیں تاکہ کوئی مستحق محروم نہ رہ جائے اسی خدمت پر چند عورتیں مقرر تھیں کہ بیواؤں اور عاجزوں کے حالات دریافت کر کے بادشاہ سے عرض کریں اور ان کے

[۵۱] - دربار اکبری صفحہ ۱۲۵ و توزک جہانگیری صفحہ ۲۶-
[۵۲] - توزک جہانگیری صفحہ ۲۱- [۵۳] کتاب مذکور صفحہ ۱۳۶ - ۱۳۷-

پاس زر نقد اور جاگیروں کی سندیں پہنچاتی تہیں - جہانگیر نے خود یہ حال لکھا ہے "ہمگی ہمت مصروف آں بود کہ چوں بعد از سالہا مثل من بادشاہے بہ طالع فقرائے ایں ملک آمدہ باشد باید کہ ہیچ احدی محروم نماند و حق تعالیٰ شاہد است کہ دریں عزیمت کوتاہی نکردہ ام و ہیچ وقت ازیں شغل فارغ نبودہ ام - اگرچہ از آمدن احمد آباد اصلا محظوظ نشدہ ام غایتاً خاطر حقیقت شناس را بایں خورسند دارم کہ آمدن من موجب فاہمیت حال جمعے کثیر از درویشان شد و خلقے بنوا رسید"[۵۱]

شاہجہاں کی خیرات

شاہجہاں نے تخت نشیں ہوکر بارہ لاکھ روپیہ سادات اور مشائخ اور فضلا اور صلحا کو مرحمت کئے سنہ جلوس میں چار لاکھ بیگہ زمیں اور ۱۲۰ گاؤں ارباب استحقاق کو جاگیر میں ملے[۵۲] سنہ جلوس میں شاہجہاں نے حکم دیا کہ ہر سال ۲۷ - رجب کی رات کو دس ہزار اور ۱۵ شعبان کی رات کو دس ہزار اور رمضان کے مہینے میں تیس ہزار اور عشرہ محرم میں دس ہزار اور ۱۲ ربیع الاول کی رات کو دس ہزار جملہ ستر ہزار روپیہ سال محتاجوں کو تقسیم ہوا کریں[۵۳]۔

عالمگیر کی خیرات

شہنشاہ عالمگیر نے سنہ جلوس میں حکم دیا کہ شاہجہاں کے عہد سے ۷۰ ہزار روپئے سال جو فقرا میں تقسیم کئے جاتے ہیں بجائے اوس کے آیندہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار روپئے سال تقسیم ہوا کریں[۵۴]۔

اس کے علاوہ مسجدوں - خانقاہوں - مزارات اولیائے کرام کی نگہداشت کیواسطے صدرات کے نام سے ایک خاص اور وسیع محکمہ قایم تھا اور تمام مذہبی اوقاف اور جاگیرات

۵۱ - تزک جہانگیری صفحہ ۲۱۸ - ۵۲ - بادشاہنامہ صفحہ ۱۵۲ جلد اول ۵۳ - بادشاہنامہ صفحہ ۲۵۹ جلد اول

۵۴ - عالمگیر نامہ مطبوعہ مطبع الہی صفحہ ۳۴۲ -

کا انتظام صدر الصدور یا صدر کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ علما اور فضلا اور مشایخ اور سادات اور دیگر ارباب استحقاق کو زر نقد اور اراضی مدد معاش اسی کی سفارش سے مرحمت ہوتی تھی۔

داؤد شاہ بہمنی نے اپنے عہد (۷۹۹ھ لغایۃ ۷۹۹ھ) میں گلبرگہ۔ بیدر۔ قندھار۔ ایلچ پور دولت آباد۔ جیول۔ دابل۔ اور دیگر بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں خیرات خانے اور یتیم خانے قایم کئے تھے۔ تمام یتیم خانوں میں لڑکوں کے پڑھانے کے واسطے معلموں کو مقرر کرکے اُن کے اخراجات معین کئے تھے۔ تمام ملک میں جسقدر اندھے تھے اُن کے ایسے بیش وقرار وظیفے مقرر کردیئے تھے کہ اکثر لوگ اپنے آپ کو عمداً اندھا بناکر ماہ بماہ خزانہ سے وظیفے وصول کرتے تھے۔[۹۱]

برہان نظام شاہ نے قلعہ احمد نگر کے سامنے ایک عظیم الشان لنگرخانہ تعمیر کرایا تھا۔ کئی گاؤں اس کے اخراجات کے واسطے وقف کئے تھے۔ ہر روز چاشت کے وقت اس لنگرخانے سے محتاجوں کو کھانا تقسیم ہوتا تھا۔[۹۲]

ابراہیم قطب شاہ والئ گولکنڈہ نے گولکنڈہ میں ایک لنگرخانہ بنوایا تھا۔ جو وہاں کی مشہور عمارتوں میں شمار ہوتا تھا۔

محمد عادل شاہ والئ بیجاپور کے عہد میں تمام بڑی بڑی مسجدوں اور مزارات پر لنگرخانے جاری تھے جن سے صبح وشام دونوں وقت غربا اور مساکین کو پکا پکایا کھانا ملا کرتا تھا۔ ہندو محتاجوں کو حسب ذیل خشک غذا دیجاتی تھی۔

آٹا۔ چاول۔ دال۔ گھی۔ نقد مصالح اور لکڑی کیواسطے۔
۱ مار ۱ مار ۱ مار ۳ جتیل (۲ پیسہ)

سبیل بھی اُن کے واسطے علیحدہ لگائی جاتی تھی جس میں برہمن پانی پلانے کے واسطے

داؤد شاہ بہمنی کے خیرات خانے اور یتیم خانے

برہان نظام شاہ کا لنگرخانہ

ابراہیم قطب شاہ کا لنگرخانہ

عادل شاہ کا لنگرخانہ

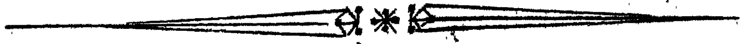
[۹۱] تاریخ فرشتہ [۹۲] فرشتہ

شاہان مالوہ کے لنگر خانے

مقرر ہوتا تھا۔[۱]

فرمانروایان مالوہ کے عہد میں تمام ملک میں لنگر خانے جاری تھے۔ مانڈو کے عظیم الشان لنگر خانے سے ہزاروں فقیروں اور محتاجوں کو روزانہ کھانا ملتا تھا۔ ہوشنگ شاہ کے مقبرے سے مغرب کی جانب اس لنگر خانے کی عظیم الشان عمارت کے نشانات اسوقت تک موجود ہیں۔[۲]

نوٹ۔ [۱] تاریخ دکن جلد سوم۔ [۲] ترک افغانی صفحہ ۱۰۸۔



ضمیمہ متعلق صفحہ ۱۱۴

بقیہ حال پل جونپور

صاحب جونپور نامہ بحوالہ تاریخ منعمی تحریر فرماتے ہیں کہ تیس لاکھ روپیہ کی صرف سے یہ پل تعمیر ہوا تھا۔ علاوہ اس قطعہ تاریخ کے جو پہلے لکھا جا چکا ہے یہ قطعہ پل کے اوپر مغرب کی جانب ایک پتھر پر کندہ ہے۔ قطعہ

زہے خانخانان منعم کہ باشد	درش قبلۂ دلہا آگاہ
پلے بست از سنگ بر روے دریا	کزو بگذرد اہل دل گاہ و بیگاہ
چو از فضل الٰہ شد بستہ این پل	ازان گشت تاریخ او فضل الٰہ

اس پل کے پاس اکثر عمارتیں بنائی گئی تہیں جنمیں ایک عالیشان حمام قابل ذکر ہے جو پل سے شمال کی جانب تعمیر کرایا گیا تہا اسکے اخراجات کیواسطے کئی گاؤں پرگنہ جونپور کے وقف کئے گئے تھے۔ محمد شاہ کے اخیر عہد تک یہ حمام بخوبی آراستہ اور بارہوں مہینے گرم ہوتا تھا اور ہر خاص و عام غریب امیر بلا کسی روک ٹوک کے اسمیں غسل کیواسطے جا سکتا تہا۔ نواب سعادت خاں نے اپنے عہد میں حمام کے وقف کو ضبط کر لیا۔ اسکے بعد کچھ دنوں تک پل کی دوکانوں کے محصول اور حکام وقت کی امداد سے یہ حمام جاری رہا اسکے بعد بالکل بند ہو گیا

پل جلال پور

یہ خوطاق کا پل جونپور سے چار کوس کے فاصلہ پر دریا سیئی پر واقع ہے۔ اسے ۹۱۵ھ میں جلال خاں پسر سلطان سکندر لودی نے بنوایا تھا جب خانزماں نے اکبر سے بغاوت کی اور اوسکا بھائی بہادر خاں جونپور کو لوٹ کر بھاگا تو شاہی فوج کے تعاقب کے خوف سے اس پل کو خراب کر دیا۔ اسکے بعد منعم خاں خانخاناں نے اسکو از سر نو تعمیر کرایا۔ جو ابتک موجود ہے۔

پُل لشن پور

یہ پل موضع لشن پور مین جو جونپور سے بجانب مغرب چار کوس کے فاصلہ پر واقع ہے دریای سئی پر بنایا گیا ہے۔ اسے ۱۰۲۷ھ مین خواجہ دوست نے کہ منصبداران شاہی سے پرگنہ گہسوہ کا جاگیردار اور منجانب میان فہیم کے پل جونپور کی تعمیر کا مہتمم تھا تعمیر کرایا تھا۔ اس کے قریب اور بہی نفیس عمارتین بنائی گئی تہیں جنکے نشان ابتک موجود ہین۔

پُل نمکسار

یہ پُل نالہ نمکسار پر موضع لٹھگرہ میں جو جونپور سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے انہی خواجہ دوست نے جنکا ذکر اوپر ہوا بنوایا تھا۔ اب ٹوٹا پڑا ہے۔

پُل نالہ لاڈلی پور

سلطان محمود شرقی کی بیگم بی بی راجی نے نہایت استحکام کے ساتھہ یہ پل تعمیر کرایا تھا۔ سلطان سکندر لودہی کے عہد میں کسی وجہ سے توڑوا دیا گیا۔

پُل شیخ پہول

جونپور کے قریب نالہ برکٹہ اور نالہ دمدمہ موضع کونہٹہ مین ملتے ہیں۔ برسات کے موسم میں ان دونوں نالوں کی طغیانی کیوجہ سے شہر کے اکثر محلے ویران ہوجاتے تھے۔ اس پریشانی کے دور کرنیکے واسطے شہنشاہ بابر کے عہد مین شیخ پہول نے ایک بہت بڑا بند بندہوا کر ایک پل بندہوا دیا تھا۔ جو مدتوں قایم رہا۔ اب ساٹھہ ستر برس سے شکستہ حالت میں ہے۔

غلطنامہ آثار خیر

عذر بدتر از گناہ

بعض خاص مجبوریوں کی وجہ سے کتابت میں اکثر غلطیاں رہ گئی ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین معاف فرماکر قبل مطالعہ کتاب کے اِن کو درست فرمائیں گے۔

منیجر مطبع

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰	۵	تہی	انہی	۳۶	۱	الہی	انہیں
"	۶	صحالف	صحائف	۳۹	۷	جنونی	جنوبی
۳۱	۱۰	حمالی	جمالی	۴۹	۲	اصل	اہل
۳۲	۹	"	×	۵۱	۱۸	خادم التولیم	خادم التعلیم
۳۳	۵	دکس	دکن	۶۵	۱۹	داماد	داماد
۳۵	۷	وہ	زائد ہے	۶۸	۱۳	بدہ	بڈہ
۳۷	۱۸	النخو	انجو	۷۰	۱۲	دفن	دفن ہوئے
۳۸	۱۶	توزان	توزاں	۷۲	۲	خصاب	خطاب
۴۳	۲	اجیں	اجین	۷۴	۳	شیخ بلال	شیخ جلال
۴۴	۲	باب العالی	باب اُجھانی	"	۵	اضافہ	افاضہ
"	۹	خزانۂ عامرہ	خزانۂ عامرہ	۷۷	۱۴	گارزونی	گازرونی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۹	۱۳	بہی	یہی	۹۲	۳	تذکرونمین	تذکرے میں
۸۰	۶	مضموں	مضمون	۹۳	۵	موصوف	موصوف کے
۸۱	۱۶	نالد	خالد	۱۰۰	۷	شیخ بنبیا	شیخ بینا
۸۳	۱۰	اثرلے	اثرلنے	۱۰۲	۱۶	مین ہوا	میں تعینات ہوا
۸۵	۵	بیتیس	بیتیں	۱۰۷	۱۱	جس	جن
۸۶	۱۲	طیبوں	طبیبوں	۱۱۱	۱۳	محفوظ	مخطوظ
۸۸	۹	صحت	صحبت	۱۱۳	۲	نئے	بنے
۹۰	۶	سرغراز	سرفراز	"	نوٹ	یاصی	یاحی
۹۱	۱۶	ساہی	شاہی	"	"	وصفش مانشاید	وصفش را نشاید
"	۱۹	اچھا	اچھے	۱۱۹	۱۴	ببیبر	بیور